نہج البلاغہ

سے

چند منتخب نصیحتیں

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

BOOK
Shop No. 11
Heights

نہج البلاغہ سے چند
منتخب نصیحتیں

تالیف

مجلسِ مصنفین بنیادِ نہج البلاغہ (ایران)

یکے از مطبوعات

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲ - بے - ۵/۴ ـــ ناظم آباد ـــ نمبر ۲ ـــ کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ---------- نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں

تالیف ---------- مجلس مصنفین بنیاد نہج البلاغہ (ایران)

ترجمہ ---------- محمد خالق فاروقی

نظر ثانی ---------- سید سعید حیدر زیدی

کتابت ---------- سید جعفر صادق

ناشر ---------- دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

طبع اول ---------- ۱۴۱۰ھ۔۱۹۸۹ء

طبع پنجم ---------- ۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۱

Acc No.............Date..........
Section.................Status..........
D.D Class.............................
NAJAFI BOOK LIBRARY

فہرست

○ مقدمہ — ۷
(۱) اگر خدا کا کوئی شریک ہوتا! — ۲۱
(۲) گناہوں سے بچنے کا محرک — ۲۳
(۳) آخرت کی ایک بڑی دلیل یہ دنیا ہے — ۲۷
(۴) خلوت اور تنہائی میں بھی گناہوں سے بچیے — ۳۱
(۵) عقل کا تعلق کلام سے ہے — ۳۴
(۶) حق تو ایک ہی ہوتا ہے — ۳۶
(۷) قرآن کی جامعیت — ۳۸
(۸) بدکار لوگوں کے کام سے خوش ہونا — ۴۱

(۹) ——— اچھے رفیق سفر اور اچھے ہمسایہ کی تلاش ——— ۴۴

(۱۰) ——— خود رائی اور مشاورت ——— ۴۷

(۱۱) ——— علم کی فضیلت دولت پر ——— ۵۰

(۱۲) ——— جو چیز تجھے خود اپنے لیے پسند نہیں ہے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کر ——— ۵۳

(۱۳) ——— نصیحت قبول کرنا ——— ۵۵

(۱۴) ——— دوستی اور دانائی ——— ۵۸

(۱۵) ——— کن لوگوں کے ساتھ دوستی سے پرہیز کیا جائے ——— ۶۰

(۱۶) ——— خبردار کرنا دراصل خوشخبری دینا ہے ——— ۶۴

(۱۷) ——— خود پسندی ——— ۶۶

(۱۸) ——— رشتہ داروں کا احترام ——— ۶۸

(۱۹) ——— سب سے بڑا عیب ——— ۷۱

(۲۰) ——— عالی ہمتی اور شکم پروری ——— ۷۴

(۲۱) ——— جو کچھ تجھے میسّر ہے اس کی قدر پہچان ——— ۷۶

(۲۲) ——— تنگدستی اور پاکدامنی یا دولت اور بدکاری ——— ۷۹

(۲۳) ——— ہر کام کرنے والا کسی کام کا نہیں ہوتا ——— ۸۲

(۲۴) ——— استاد کا احترام ——— ۸۵

(۲۵) ——— بے ادبوں سے ادب سیکھنا ——— ۸۷

(۲۶) ——— غیبت : کمزور اور ناتوان لوگوں کا طریقہ ——— ۸۹

(۲۷) ——— ایمان داری اور سچائی ——— ۹۱

(۲۸) ——— دوسروں کی غلامی کیوں؟ ——— ۹۳

(۲۹) مذاق اور عقل ۹۶

(۳۰) کم دینا یا بالکل نہ دینا ۹۹

(۳۱) ایمان کیا ہے؟ ۱۰۳

(۳۲) لڑائی جھگڑا ۱۰۶

(۳۳) کبھی ایک ہی بار کھا لینے کی ہوس ۱۰۹

(۳۴) صبر اور کامیابی ۱۱۱

(۳۵) اعتدال کی راہ پر چلنے والا کبھی تنگ دست نہیں ہوتا ۱۱۴

(۳۶) تندمزاجی دراصل دیوانگی ہے ۱۱۶

(۳۷) ایمان ، نماز ، زکوٰۃ وغیرہ کی حکمتیں ۱۱۹

(۳۸) دوستی اور دشمنی میں اعتدال ۱۲۲

(۳۹) اپنے سے کم تر لوگوں پر نگاہ ڈالو ۱۲۴

(۴۰) بُرے کاموں کا معیار ۱۲۷

(۴۱) بردباری کی مشق ۱۳۰

(۴۲) عقلمند کی زبان اور احمق کی زبان ۱۳۳

(۴۳) اس طرح کا مال کبھی ہاتھ سے نہیں جاتا ۱۳۵

(۴۴) عمل اور نسب ۱۳۷

(۴۵) اعمال کا فرق ۱۳۹

(۴۶) آخرت دنیا کا نتیجہ ہے ۱۴۳

(۴۷) کمزوری اور بے بسی آفت ہے اور صبر شجاعت ۱۴۶

(۴۸) ——— تہمت کی جگہ سے دُور رہنا ——— ۱۵۰
(۴۹) ——— فرصت کو ضائع نہ کریں ——— ۱۵۲
(۵۰) ——— وعدہ پورا کرنے کی ذمہ داری ——— ۱۵۵
(۵۱) ——— ناتوانوں میں سب سے زیادہ ناتوان ——— ۱۵۸
(۵۲) ——— ہمارا عمل اور دوسروں کی گفتار ——— ۱۶۰
(۵۳) ——— امیروں کی انکساری اور غریبوں کی بے نیازی ——— ۱۶۲
(۵۴) ——— نماز جمعہ کی اہمیت ——— ۱۶۵
(۵۵) ——— نرم خوئی دوستی کی بنیاد ہے ——— ۱۶۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مُقدّمہ

عزیز طلبہ، پیارے نوجوانو!

یہ ایک چھوٹی سی کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے لیکن مختصر ہونے کے باوجود اس نے بے کنار سمندروں کی وسعت اپنے اندر سمیٹ لی ہے اور سر بفلک پہاڑوں کی عظمت و بلندی اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ یہ دراصل بڑی قدر و منزلت رکھنے والی کتاب "نہج البلاغۃ" کے نصیحت آمیز اور دانش مندانہ اقوال اور کلمات کا ایک انتخاب ہے۔ اسے ہم نے بڑے سادہ اور آسان انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان علم و حکمت سے بھرے ہوئے اقوال اور کلمات کی مثال ان آب و تاب رکھنے والے موتیوں کی سی ہے جو نایاب مروارید سے بھرے دریا کی گہرائیوں سے نکالے گئے ہیں۔ یہ انتخاب خاص طور پر آپ نوجوانوں کے لیے کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے تمام مطالب و مضامین کو ہم نے سادہ اور آسان اردو میں

بیان کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ آپ اور آپ کے تمام ہم عمر ساتھی اسے آسانی کے ساتھ پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔ اس طرح آپ ایک ایسی کتاب کا تعارف حاصل کرسکیں گے جو قرآن مجید کے بعد عالی ترین اور سیرت سازی کے لیے بہترین سمجھی جاتی ہے۔

کچھ نہج البلاغہ کے بارے میں

ہم اس وقت ایک بڑے اہم دور سے گزر رہے ہیں۔ دنیا بھر میں اسلامی انقلاب کی تحریکیں کسی نہ کسی انداز میں کام کر رہی ہیں اور خاص طور پر ایران کو سب سے پہلے ایک عظیم اسلامی انقلاب برپا کرنے کا اعزاز حاصل ہوا جو آپ نوجوانوں ہی کے عزم اور جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس کامیابی نے آپ کو ایک بڑی خوش نصیبی سے ہمکنار کیا ہے۔

آج کا طالب علم اور حکمت و دانش سیکھنے والا نوجوان ایک بڑے اہم اور عظیم دور میں زندگی بسر کر رہا ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ "نہج البلاغہ" جیسی بلند مرتبہ کتاب سے واقف نہ ہو۔ تاہم اور زیادہ واقفیت کی خاطر یہاں ہم "نہج البلاغہ" کے بارے میں بعض اہم نکات بیان کریں گے۔

نہج البلاغۃ حضرت علی علیہ السلام کے بلند اور آسمانی افکار کے صرف ایک گوشے کو پیش کرتی ہے۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے اسے ایک کتاب کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور لوگوں نے بڑی حیرت اور تحسین کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا۔

نہج البلاغۃ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے حکیمانہ اقوال، نصیحتوں آپ کے خطوط اور تحریروں اور مختصر دانشمندانہ باتوں کا مجموعہ ہے۔

یہ مجموعہ عالمِ اسلام کے ممتاز و معروف دانشور سید رضی نے چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کے آغاز میں مرتب کیا تھا۔ انھوں نے امامؑ کے فرمودات اور تحریروں کو تین حصّوں میں تقسیم کیا تھا:

- ــــ پہلے حصّے کا تعلق امامؑ کے خطبات سے ہے۔
- ــــ دوسرے کا خطوط اور پیغامات سے ــــ اور ــــ
- ــــ تیسرے حصّے میں آپ کی مختصر حکیمانہ باتوں کو جمع کیا گیا ہے۔

کچھ خطبات کے بارے میں:۔

وہ نوجوان جو انقلابی اور اسلامی ایران میں زندگی بسر کر رہے ہیں مسلمانوں کی سابقہ نسلوں کی بہ نسبت 'خطبہ' کے معنیٰ اور مفہوم سے بخوبی واقف ہیں کیونکہ آج وہ آزادی اور بہت زیادہ ذوق وشوق کے ساتھ اپنے ماں باپ اور بزرگوں کے ہمراہ نمازِ جمعہ میں شرکت کے لیے جاتے ہیں اور اپنے اپنے شہروں کے ائمہ جمعہ سے ان کے خطبات سنتے ہیں یا پھر وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ جو نمازِ جمعہ کے خطبات کو نشر کرتے ہیں، خطبہ کے معنیٰ و مفہوم سے آشنا ہو چکے ہیں۔

خطبہ اس تقریر کو کہتے ہیں ــــــــــ

جو امامِ جمعہ، نمازِ جمعہ میں شرکت کرنے والے ــــــ
مسلمانوں کے سامنے کرتا ہے۔

اور مختلف مسائل اور موضوعات کے بارے میں اظہارِ خیال کرتا ہے۔
تاکہ عام مسلمانوں کے علم و شعور میں اضافہ ہو سکے۔

امامِ جمعہ، توحید و خدا شناسی ــــــ اسلامی اصول و عقائد ــــ
قرآنی مطالب و مسائل ــــــ انبیاء کی بعثت ــــــ امام آخر عجؑ

کے ظہور ——— امّت اور اس کی امامت، جیسے مسائل اور مختلف سیاسی و اجتماعی مسائل کے بارے میں بحث کرتا ہے اور ان کی اچھی طرح وضاحت کرتا ہے تاکہ ان مسائل کے بارے میں عام مسلمانوں کا ذہن بالکل صاف رہے اور وہ دشمنان خدا اور دشمنانِ دین کے فریب میں نہ آسکیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے خطبات صرف جمعہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھے۔

آپؑ کے دورِ حکومت میں ہفتے بھر کی تمام ہی نمازیں باجماعت ادا کی جاتی تھیں اور ان میں مسلمان کثرت سے شرکت کرتے تھے اس لیے کسی بھی نماز کے موقع پر عام مسلمانوں سے خطاب کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کو جب کبھی کوئی فوری مسئلہ یا کوئی مہم درپیش ہوتی، منبر پر تشریف فرما ہو کر اس مسئلہ یا مہم کے بارے میں ضروری وضاحتیں یا ہدایات دیتے اور مسلمانوں کو پوری طرح باخبر رکھ کر ان کے علم اور باخبری میں اضافہ فرماتے۔

نہج البلاغہ میں جناب امیرالمومنین کے سینکڑوں خطبوں میں سے صرف ۲۳۸ خطبے شامل ہیں اس کے باوجود خطبوں کا باب بقیہ دو ابواب (خطوط اور اقوال زرّیں) سے بڑا اور مفصل ہے۔

نہج البلاغۃ کے خطبات کا زیادہ تر تعلق توحید ——— معرفتِ خداوندی، رسالت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبے، اسلامی و قرآنی مباحث و مسائل ——— اور ——— عالمِ اسلام کے سیاسی و اجتماعی مسائل، دعوتِ جہاد اور راہِ خدا میں شہادت جیسے موضوعات سے ہے۔

امامؑ کے خطوط :۔

نہج البلاغۃ کے ایک حصّے کا تعلق ان تحریروں سے ہے جو جنابِ امیر علیہ السلام کے گوہر بار قلم سے صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوئی ہیں ۔

ان تحریروں سے مراد ——————

آپؑ کے وہ خطوط ہیں جو آپ نے اسلامی حکومت اور امتِ مسلمہ کے مختلف مسائل کے بارے میں اپنے احباب اور اقربا حتیٰ کہ اپنے دشمنوں کے نام تحریر فرمائے ۔

ان خطوط میں وہ پیغامات بھی ہیں جو آپ نے مختلف علاقوں کے گورنروں اور حکومت کے ذمّہ دار افراد کے نام روانہ فرمائے ۔ان خطوط میں آپ نے حکومت اور حکمرانی کے اعلیٰ ترین اصولوں ، عام لوگوں کی خدمت کے بہترین طریقوں خاص طور پر معاشرہ کے ضعیف اور کمزور افراد کے حقوق کی حفاظت کے قاعدوں کا تعین فرمایا ہے اور اسلامی حکومت کے کارپردازوں کو ان طریقوں اور قاعدوں کی پابندی کا ذمہ دار قرار دیا ہے ۔

اس کے علاوہ نہج البلاغہ کے اس حصے میں آپ کی وہ خط وکتابت بھی شامل ہے جو آپ نے لوگوں کے مختلف طبقات کے مسائل کے بارے میں فرمائی ہے اس مراسلت میں بلکہ آپ کے تمام خطوط اور تحریروں میں روزمرہ کے مختلف مسائل کے علاوہ اسلام اور اسلامی حکومت کے تعلق سے اسلامی زندگی کے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے ۔ساتھ ہی اسلام کے تربیتی ،اخلاقی اور اعتقادی مسائل کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے ،ان مسائل کے بارے میں امامؑ کا نقطۂ نظر پوری طرح واضح ہو کر سامنے آتا ہے ——————!

اقوالِ زرّیں :-

یہ نہج البلاغہ کا تیسرا حصّہ ہے ۔اس میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے مختصر حکیمانہ ارشادات کو جمع کیا گیا ہے جن میں سے اکثر ایک یا دو فقروں پر مشتمل ہیں اور جنھیں مختصر حکیمانہ کلمات کے طور پر شہرت حاصل ہو چکی ہے ۔

ان مختصر کلمات میں سے ہر کلمہ ——————،
معنیٰ و مطالب کا ایک سمندر اپنے اندر لیے ہوئے ہے ——— !

ان کلمات میں جنابِ امیرؑ کی بہت سی نصیحتیں اور صحیح اسلامی تعلیم و اعتقادات کے بارے میں بے مثل ہدایات جمع ہو گئی ہیں۔

ان چھوٹے چھوٹے کلمات میں جو گہرے اور پر معنیٰ مطالب پوشیدہ ہیں وہ ایسے ہیں کہ دوست اور دشمن سب انھیں قرآن کریم کی آیات اور ——————
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کے بعد ——————
——— ایک کامیاب اور پاکیزہ انسانی زندگی کے لیے اعلیٰ ترین ہدایت اور رہنمائی سمجھتے ہیں ——————

ان مختصر نصیحتوں میں اچھی زندگی بسر کرنے اور انسانیت کے صدہا درس پوشیدہ ہیں۔

نہج البلاغۃ کے ان تینوں حصوں کا تعارف حاصل کرنے کے بعد اس کی یہ خوبی بھی آپ کے علم میں لائی جانی چاہیئے کہ اس کتاب کے کردار ساز مضامین گہرے اور بیش بہا معانی اپنے اندر رکھنے کے ساتھ طرز نگارش کے اعتبار سے بھی ایک بلند اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

اس کتاب کی نثر اور جناب امیرؑ کا طرز نگارش ایسا موثر اور دل نشیں ہے کہ

عربی زبان اور ادبیات میں اس کی مثال نہیں ملتی

بعد کے طویل دور اور صدیوں میں بھی اس کی کوئی نظیر سامنے نہیں آسکی اسی بنا پر اس کتاب کا نام نہج البلاغۃ رکھا گیا جس کے معنی بیان و کلام کا ایک موثر انداز اور منفرد طرز ہے۔

شریف رضی کا تعارف

شریف رضی جو سید رضی کے نام سے مشہور ہیں ان کا شمار چوتھی صدی ہجری کے عظیم اسلامی دانشوروں میں ہوتا ہے انھوں نے نہج البلاغہ ترتیب دے کر تاریخ اسلام میں اپنے نام کو زندہ جاوید بنالیا۔

سید رضی کے پانچویں جد حضرت موسیٰ بن جعفرؑ ہیں جو شیعوں کے ساتویں امام ہیں۔ امام موسیٰ بن جعفرؑ کے پانچویں جد حضرت علیؑ ہیں اس ترتیب سے حضرت علیؑ سید رضی کے دسویں جد ہوئے۔

اسی طرح ماں کی طرف سے بھی سید رضی کے اجداد کا سلسلہ نو نسلوں کے ساتھ حضرت علیؑ تک پہنچتا ہے۔ اس شجرۂ نسب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سید رضی کا خاندان ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ایک شریف اور معزز خاندان تھا۔ یہ دونوں ہی خاندان امام علی علیہ السلام کی مبارک نسل سے تھے۔

سید رضی ۳۵۹ھ قمری میں پیدا ہوئے اور ۴۷ سال کی مختصر لیکن کامیاب و نتیجہ خیز زندگی گزارنے کے بعد ۴۰۶ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

ابھی وہ کم سن ہی تھے کہ انھیں ان کے بھائی "شریف مرتضیٰ" کے ساتھ حصولِ علم کے لیے بھیج دیا گیا۔ بہت جلد انھوں نے اپنی ذہانت و ذکاوت کا لوہا منوالیا اور اپنے ہم عمر تمام طلبا سے آگے نکل گئے۔ اور ابتدائے جوانی ہی میں ایک اسلامی دانشور

کی حیثیت سے انھیں پہچانا جانے لگا اور وہ اپنے وقت کے بڑے دانشوروں میں شمار کیے جانے لگے،

اس طرح وہ سب کے لیے قابلِ احترام قرار پائے۔

سید رضی نے اپنی جوانی کے آغاز ہی میں قرآن اور اسلامی موضوعات و مسائل کے بارے میں اپنی بیش بہا تحقیق کا کام شروع کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں چند قابل قدر کتابیں منظرِ عام پر آئیں جو بعد کی صدیوں میں بھی عالم اسلام کے دانشوروں کی توجہ کا مرکز بنی رہیں۔

شعر و شاعری کے میدان میں بھی انھوں نے اپنی ممتاز اور منفرد حیثیت منوائی چنانچہ دانشوروں اور شاعروں نے ان کے باقی ماندہ اشعار کا مطالعہ کرنے کے بعد انھیں عربی زبان کا سب سے بڑا اور بہترین شاعر قرار دیا۔

لیکن جس کتاب نے انھیں زندۂ جاوید بنا دیا اس کا تعلق اُن کی نثر اور اُن کے اشعار اور اُن کی تحقیقات سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اس کتاب کی ترتیب اور تدوین سے ہے جو آج "نہج البلاغۃ" کے نام سے پوری دنیا میں روشن و منور ہے۔

سید رضی نے اس کتاب کے مضامین کی جمع و ترتیب کے لیے ——
بیس ۲۰ سال تک سخت محنت کی ——؛

وہ اس مقصد کے لیے دسیوں کتب خانوں میں گئے اور سینکڑوں کتابوں کا شروع سے آخر تک گہرا مطالعہ کیا۔ یہ کتابیں جو دسیوں سال قبل تحریر کی گئی تھیں ان میں علی علیہ السلام کی زندگی کے حالات و واقعات کو بھی قلمبند کیا گیا تھا۔

ان کتابوں کے مصنفین نے مختلف مواقع کی مناسبت سے حضرت علیؑ کے خطبوں اور مکتوبات سے اقتباسات، آپ کے حکیمانہ اقوال اور نصائح کو بھی نقل کیا تھا

لیکن ان کتابوں میں یہ ساری چیزیں کسی بہتر نظم و ترتیب کے ساتھ نہیں آئی تھیں، البتہ ہر لکھنے والے نے امام کے کسی نہ کسی واقعہ اور قول کو نقل کیا تھا۔

اس صورتِ حال میں سید رضی نے بڑی کوشش اور ہمت سے کام لیا اور برسوں کی تحقیق و مطالعہ کے بعد سنہ ۴۰۰ھ میں انھیں حضرت علیؑ کے منتشر اور بکھرے ہوئے علمی ورثہ کو تین حصّوں میں مرتّب کرنے اور ایک جامع کتاب کی حیثیت سے علم و دانش کی دنیا میں پیش کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

یہ بات واضح رہے کہ نہج البلاغہ میں امامؑ کا تمام علمی ورثہ جمع نہیں ہے لیکن سید رضی سے پہلے حضرت علیؑ کے بارے میں جتنی کتابیں لکھی گئیں ان کی بہ نسبت نہج البلاغہ اپنے مضامین و مطالب اور نظم و ترتیب کے اعتبار سے زیادہ بہتر اور درجۂ کمال سے قریب تر ہے۔

سیّد رضی سے پچھلے دور میں

جناب امیرؑ کے علمی ورثے کا جائزہ

سید رضی نے حضرت امیرالمومنینؑ کی شہادت کے تین سو پچاس (۳۵۰) سال بعد نہج البلاغۃ کی ترتیب و تدوین کا کام شروع کیا تھا اور یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ نہج البلاغہ میں جو کچھ درج کیا گیا ہے اس کا ماخذ وہ کتابیں ہیں جو سید رضی کے دور سے قبل لکھی گئی تھیں۔ اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ سید رضی سے پہلے بھی بہت سے محققین اور اہل قلم، حضرت علیؑ کے علمی ورثہ کو جمع کرنے اور انھیں مدوّن کرنے کا کام انجام دے چکے ہیں۔

مختلف دانشوروں اور مورخین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ نہج البلاغۃ سے پہلے دوسری بائیس (۲۲) کتابیں موجود تھیں۔ نہج البلاغۃ کی طرح ان تمام کتابوں میں

حضرت علیؑ کے اقوال، خطوط اور آپ کی تحریروں کو شامل کیا گیا تھا۔

سب سے پہلی کتاب جو اس موضوع پر مرتب کی گئی تھی اس کا نام ——

—— "منبر پر علی علیہ السلام کے خطبات" تھا۔

اس کتاب کا مصنف زمانۂ جاہلیت یعنی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل پیدا ہوا تھا اور ظہورِ اسلام کے بعد وہ مسلمان ہوگیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد وہ حضرت علیؑ کے اصحاب اور حامیوں کے حلقے سے وابستہ ہوگیا اور پھر آپ کی شہادت کے زمانے تک آپ کے مددگاروں وفاداروں اور فداکاروں میں شامل رہا۔

اس کا نام زید بن وہب تھا ——!

سنہ ۹۶ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ لیکن اپنی وفات سے کئی سال قبل اس نے جو کچھ امیرالمومنینؑ کی زبان سے سُنا تھا اسے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دیا ——!

اس کے بعد بیس۲۰ دوسری کتابیں اسی موضوع پر مدوّن کی گئیں، آخری شخص جس نے سیّد رضی سے پہلے ایک کتاب تدوین کی وہ ایک ممتاز دانشور "ابوعثمان جاحظ" تھا۔ جاحظ کا سنہ ۲۵۵ھ میں انتقال ہوگیا۔ اس کے ایک سو چار۱۰۴ سال بعد سیّد رضی کی ولادت ہوئی۔

جاحظ کی کتاب کا نام "امیرالمومنینؑ کے ایک سو اقوال" تھا۔ سیّد رضی نے دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب سے بھی استفادہ کیا اور اس کے مندرجات کو بھی نہج البلاغہ میں شامل کیا۔

سیّد رضی سے پہلے مجموعی طور پر ستّر دانشور اور محققین امامؑ کے خطبات اور اقوال کو مرتب و مدوّن کر چکے تھے۔ یہاں ان تمام دانشوروں

کے نام تحریر کرنے کی گنجائش نہیں ہے[1]

ہم نے امامؑ کے صرف ان اقوال کو کیوں منتخب کیا؟

موتیوں کے ایک قیمتی خزانے سے چند موتیوں کو منتخب کرنا ایک بڑا دشوار کام ہے اور اس سے بھی دشوار تر کام ——————

نہج البلاغہ کے بے مثل گنجینہ سے ——————

حضرت علیؑ کے کلامِ روحانی کے موتیوں کا چننا ہے ——————

کیونکہ صدیوں سے آپ کے کلام کو اللہ کے کلام سے کم تر اور تمام مخلوق کے کلام سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔

کسی بھی شخص کے لیے یہ بڑی گستاخی اور جسارت ہوگی کہ وہ ایک ایسے اعلیٰ کلام سے صرف چند کلمات کا انتخاب کرے کیونکہ عام طور پر انتخاب کے معنیٰ کچھ چیزوں کو بعض دوسری چیزوں پر ترجیح دینے کے ہوتے ہیں ——————

جبکہ امامؑ کا کلام بلندیٔ کمال کی اس حد پر پہنچا ہوا ہے کہ اس میں سے کسی حصّے کو منتخب کر کے اسے باقی کلام پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

ہم نے اس چھوٹی سی کتاب میں امامؑ کے منتخب کلمات کو جمع کرنے کا جو کام انجام دیا ہے تو یہ انتخاب ترجیح دینے کے معنوں میں نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد عزیز نوجوانوں کو امامؑ کے سادہ ترین اور مختصر ترین حکیمانہ کلمات سے آشنا کرنا ہے۔

---

[1] "سید رضی سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کے اقوال مدوّن کرنے والے اہل قلم" عزیز اللہ عطاروی کی کتاب ہے (بنیاد نہج البلاغۃ کی مطبوعات)

ہم نے امامؑ کے ایسے مختصر اقوال اور کلمات کا انتخاب کیا ہے کہ جن کا سمجھنا اور سیکھنا ابتدائی جماعتوں کے طلبا کے لیے آسان ہو۔

اسی لیے ——————

اس چھوٹے سے مجموعے میں ہم نے امامؑ کے سادہ ترین کلمات کا انتخاب کیا ہے نہ کہ بہترین کلمات کا —————— کیونکہ

نہج البلاغۃ کے روشن اور وسیع آسمان پر ——————

امامؑ کے تابناک کلام کے جو بھی ستارے چمک رہے ہیں وہ سب کے سب بہترین اور بلند ترین ہیں۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ امامؑ کے مختلف زندگی بخش اقوال اور سیرت کی تعمیر کرنے والی نصیحتوں کو اس مختصر کتاب میں جمع کر دیں تاکہ نوجوان اس سے رہبری اور رہنمائی حاصل کریں۔

امامؑ کے ان کلمات کی کچھ تعداد کا تعلق ——————

توحید اور خداشناسی سے ہے ——————

اور چند دوسرے کلمات —————— انسان اور تمام موجودات کی تخلیق سے تعلق رکھتے ہیں اور چند اقوال انسان اور خالق کے درمیان تعلق کے بارے میں ہیں اور ان میں سے اکثر ——————

—————— اسلام کی اخلاقی اور تربیتی روش کے بارے میں ہیں۔

امامؑ کی نصیحتیں انفرادی و اجتماعی زندگی کے صحیح طریقوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ امامؑ کے کلمات کا یہ حصہ سادہ اور قابلِ عمل نصیحتوں پر مشتمل ہے۔ ان نصیحتوں پر عمل کرنا نہ صرف یہ کہ سخت اور دشوار نہیں ہے بلکہ آسان اور دل پذیر ہے۔ ان نصیحتوں پر عمل دنیا میں آسائش کا ضامن ہے تو آخرت میں نجات کا۔

امامؑ کے ان کلمات کا ممکن حد تک سادہ ترین اور آسان ترین زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس سادہ ترجمہ کے باوجود

ممکن ہے کہ بعض نوجوانوں کے لیے امامؑ کے کلام کو پوری طرح سمجھنا مشکل ہو اسی لیے امامؑ کے حکیمانہ اقوال کے ترجمہ کے ساتھ ہم نے ان کی مختصر شرح بھی ایسی آسان زبان میں لکھی ہے کہ کم عمر نوجوان اس کا مطالعہ کر سکیں اور امامؑ کے کلام کو سمجھنا اُن کے لیے آسان ہو سکے۔

ہمیں اُمید ہے کہ یہ مختصر کتاب عزیز نوجوانوں پر ایک ایسا دریچہ کھولنے کا سبب بنے گی جس کے ذریعہ وہ امامؑ کے افکار و دانش کی وسیع دنیا میں قدم رکھ سکیں گے۔ اور اسلام کی انسانی، تربیتی، اخلاقی اور روشن اعتقادی تعلیمات سے آشنا ہو سکیں گے۔

مجلسِ تحریر، بنیادِ نہج البلاغہ

۱

اگر خدا کا کوئی شریک ہوتا!

"لَوْ كَانَ لِرَبِّكَ شَرِيكٌ لَأَتَتْكَ رُسُلُهُ"

خطوط/۳۱

ترجمہ:

" اگر پروردگارِ عالم کا کوئی شریک ہوتا تو اس شریک کے (یعنی اُس دوسرے خدا کے) پیغمبر بھی تیرے پاس آتے۔"

شرح:

وہ طاقت ور خدا جس نے ہمیں اور اس وسیع و عریض حسین دنیا کو پیدا کیا ہے وہ یکتا اور بے مثل ہے۔

وہ تمام پیغمبر جو انسانوں کی ہدایت کے لیے آئے اور مختلف شریعتیں لے کر آئے، خدا کے بارے میں اُن سب کی باتیں ایک جیسی رہی ہیں۔ اُن سب نے اپنے ماننے والوں سے یہی کہا کہ خدا ایک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں اور

اس جیسا کوئی نہیں۔

عزیز نوجوانو!

آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر خدائے یکتا اور لاشریک کے سوا کوئی دُوسرا خدا بھی اس کائنات میں موجود ہوتا تو یقیناً وہ بھی اپنے پیغمبروں کو اس دُنیا میں بھیجتا تاکہ اُس کے پیغمبر لوگوں کو اس کے وجود کی اطلاع دیتے اور اس کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے۔

اس زمین پر انسانی زندگی کے لاکھوں کروڑوں سال کے طویل عرصے میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر انسانوں کی ہدایت کے لیے آچکے ہیں لیکن ان پیغمبروں میں سے کسی ایک نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ :

"میں خدائے یکتا ولاشریک کے سوا کسی دُوسرے خدا کی طرف سے تمھاری طرف آیا ہوں۔"

یہ ایک روشن دلیل اور واضح ثبوت ہے کہ آپ سب کا خدا اور تمام انسانوں کا پروردگار اور اس عظیم کائنات کا خالق وہی اکیلا و یکتا اور بے مثل خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

تمام پیغمبروں نے اُسی خدائے واحد کی باتیں ہم تک پہنچائی ہیں اور تمام انسانوں کو اس کی بندگی اور عبادت کی جانب بُلایا ہے۔

۲

گناہوں سے بچنے کا محرّک

"لَوْلَمْ یَتَوَعَّدِاللّٰہُ عَلٰی مَعْصِیَتِہٖ
لَکَانَ یَجِبُ اَنْ لَا یُعْصٰی شُکْرًا لِنِعَمِہٖ"

ح/۲۹۰

ترجمہ:

"اگر خدا اپنے بندوں کو نافرمانی اور گناہ کی راہ اختیار کرنے سے نہ روکتا اور انھیں خوف نہ دلاتا تب بھی انسان کے لیے یہ واجب تھا کہ وہ کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوتے تاکہ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے۔"

شرح:

جو شخص بھی گناہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا نہیں لاتا وہ درحقیقت اس کی دی ہوئی نعمتوں کو برباد کرتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ وہ جب کوئی گناہ کرنے کا

ارادہ کرے گا اور اس کے لیے قدم اُٹھائے گا تو وہ اُن تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو کام میں لائے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے وجود کے اندر رکھی ہیں۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے اُسے یہ قوتیں گناہ کرنے اور اُس کی نافرمانی کی راہ اختیار کرنے کے لیے نہیں دی ہیں۔

میرے عزیز نوجوانو!

آپ ذرا کسی ایسے شخص کے بارے میں سوچیے جو گناہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ایک چور ہی کی مثال اپنے سامنے رکھیے۔

ایک چور اُس وقت تک چوری نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کے جسم کے تمام اعضاء اپنا کام، اپنی پوری قوتوں کے ساتھ انجام نہ دیں کیونکہ اسی صورت میں چور کو چوری کرنے کی طاقت میسر آسکتی ہے۔

یہ ضروری ہوگا کہ ——

اس کے پھیپھڑے تازہ ہوا لینے کے لیے مسلسل کام کریں تاکہ اس کی سانس جاری رہے اور وہ زندہ رہے۔

اسی طرح اس کے دل کو بھی مسلسل حرکت میں رہنا چاہیئے تاکہ اس کے جسم میں دورانِ خون کا سلسلہ قائم رہے اور اسے ہر لمحہ ایک تازہ زندگی ملتی رہے۔

اس کی آنکھوں میں بھی دیکھنے کی صلاحیت باقی رہنی چاہیئے تاکہ اسے اپنا راستہ نظر آسکے۔

اس کے پیروں کو بھی یہ قوت حاصل رہنی چاہیئے کہ وہ حرکت کرسکیں اور قدم بڑھاسکیں اور وہ اس راستے پر چل سکیں جو دکھائی دے رہا ہے۔

اس کے کانوں میں بھی سننے کی صلاحیت ہونی چاہیئے تاکہ وہ لوگوں کے آنے کی آواز سُن کر راہ فرار اختیار کرسکے۔

اس کے ہاتھوں میں بھی اس قدر قوت ہونی چاہیئے کہ وہ حرکت

کرسکیں اور کام کرسکیں اور وہ ان کی مدد سے کسی گھر کا دروازہ کھول سکے اور سامان اُٹھا سکے ۔

پھر اس کے دماغ کا بھی ٹھیک ٹھیک طریقے سے کام کرنا ضروری ہے تاکہ دماغ تمام اعضاء بدن کو مناسب ہدایات دے سکے اور اعضاء ان ہدایات کے مطابق اپنے فرائض انجام دے سکیں ۔

اگر ان اعضاء میں سے ، دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں میں سے کسی ایک نے بھی ٹھیک طریقے سے اپنا کام انجام نہ دیا تو کوئی گنہگار شخص، گناہ کرنے اور کوئی چور، چوری کرنے پر قدرت حاصل نہ کرسکے گا۔

آپ نے دیکھا کہ ——————

جو شخص حاضر و ناظر خدا کے سامنے گناہ اور اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ ان تمام مواقع اور قوتوں کو استعمال کرتا ہے جو دراصل اللہ تعالیٰ نے اُسے اچھے اور نیک کام انجام دینے کے لیے عطا کیے ہیں ۔

کیا اس صورت میں وہ گناہ گار شخص جرائم اور گناہ کرنے کے لیے ان نعمتوں اور قوتوں کو تباہ اور برباد نہیں کر رہا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عنایت کی ہیں ——————؟

اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو آگاہ کرچکا ہے اور انھیں گناہ اور نافرمانی کی راہ پر چلنے سے منع کرچکا ہے ——————

تاہم اگر اللہ تعالیٰ نے خبردار نہ کیا ہوتا اور گناہوں سے نہ ڈرایا ہوتا اور انسان اس بات سے مطمئن اور بے فکر ہوتا کہ ——————

اسے اپنے گناہوں کی کوئی سزا نہیں ملے گی ——

تب بھی اسے یہ حق حاصل نہ ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی

نعمتوں کو برباد کرتا پھرے۔

انسان کے لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

دیکھنے، سُننے اور سونگھنے کی صلاحیت ـــــ نقل وحرکت کرنے کی طاقت ـــــ دھڑکنے والا دل ـــــ سانس لینے والے پھیپھڑے، مختلف قسم کے کام انجام دینے کی صلاحیتیں اور ایسی دوسری بے شمار نعمتیں ہیں جن کے حاصل ہونے پر انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے اور ان نعمتوں کی اسے قدر کرنی چاہیئے۔

ان عظیم اور قیمتی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ وہ ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور گناہوں سے دُور رہے۔

۳

آخرت کی ایک بڑی دلیل یہ دُنیا ہے

"عَجِبْتُ لِمَنْ اَنْکَرَ النَّشْأَةَ الْاُخْریٰ
وَھُوَ یَرَی النَّشْأَةَ الْاُوْلٰی"

ح/۱۲۶

ترجمہ:

"میں اس شخص کے بارے میں بڑا حیران ہوں
جو اپنی آنکھوں سے اس دنیا کو دیکھتا ہے
اور پھر بھی آخرت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

شرح:

جو شخص بھی اپنی عقل و دانش کی نظروں سے اس دُنیوی زندگی کو دیکھتا ہے تو اسے ساری دنیا ان آیات اور نشانیوں سے بھری نظر آئے گی جو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کو ظاہر کرتی ہیں اور جو بھی عقل و فہم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق کا مشاہدہ کرے گا وہ کبھی بھی آخرت اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار نہیں کر سکے گا

اگر ہم ذرا گہرائی میں جا کر دیکھیں ——
اور سمجھ بوجھ اور انصاف سے کام لیں اور اس دنیا پر ایک نظر ڈالیں تو
ہمیں بآسانی یہ معلوم ہو جائے گا کہ ——
انسان ، چرند ، پرند اور تمام درخت اور پودے ——
غرض یہ کہ ——
اس دنیا کی ساری چیزیں پہلے موجود نہیں تھیں یہ بعد میں وجود میں آئیں۔
جب حقیقت یہ ہے ——
تو ہمیں اس بات کے ماننے میں دیر نہیں کرنی چاہیئے کہ جس خدا نے
ہماری اس دنیوی زندگی اور تمام مخلوقات اور موجودات کو پیدا کیا ہے اور انھیں
ایک زندہ وجود عطا کیا ہے ——
وہ اس بات کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ ——
موت کے بعد اور اس دنیا کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ اسے زندگی اور
وجود عطا کر دے۔
اگر ہم انسانی زندگی پر نظر ڈالیں تو پہلی نظر ہی میں ہم پر یہ حقیقت
روشن ہو جائے گی کہ اس دنیا میں انسانی زندگی کا درخت خود اس زمین سے اُگا
اس کی جڑوں نے اسی مٹی سے نشو و نما حاصل کی اور ایک خاص وقت پر اللہ تعالیٰ
نے انسان کو اسی مٹی سے نکال کر اسے ایک زندہ وجود عطا کیا۔
ہماری زندگی اور ہمارے وجود کی جڑیں اسی زمین کی گہرائیوں میں
ایک عرصے تک دبی ہوئی تھیں اور پھر اسی زمین کا سینہ چیر کر وہ نمودار ہوئیں۔
اسی مٹی سے گندم ، چاول ، سبزیاں ، میوے اور دوسری کھانے
پینے کی چیزیں نکالی گئیں اور ان ہی کو ہمارے باپ دادا نے کھا کر قوت اور نشو و نما

حاصل کی ——————؛

پھر زمین سے پیدا ہونے والی ان ہی چیزوں کو حیوانات نے کھایا پیا تاکہ وہ انھیں کھاکر زندہ رہیں اور پلیں بڑھیں اور اپنے گوشت کو انسانوں کی غذا بنائیں۔ ہمارے ماں باپ نے دوسری غذاؤں کے ساتھ جانوروں کے گوشت کو بھی کھایا دراصل انھوں نے جو غذائیں استعمال کیں وہ سب کی سب اس زمین ہی کی پیداوار تھیں۔

اس طرح دیکھا جائے تو——

ہمارے ماں باپ نے زمین سے پیدا ہونے والی خوراک کو کھاکر اپنی زندگی برقرار رکھی تھی اور چھوٹے سے بڑے ہوئے تھے۔

پھر ہم نے خون کے ایک قطرہ اور لوتھڑے کی صورت میں——

ان کی پشت اور ان کے پیٹ میں ——————

وجود حاصل کیا——————!

پھر ایک جیتے جاگتے بچے کی صورت میں اس دنیا میں ہم نے قدم رکھا۔

پھر ہم آہستہ آہستہ بڑے ہوتے چلے گئے اور ایک ایسے مکمل انسان کی صورت اختیار کرلی جو ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، دماغ اور جسم کے سارے اعضاء سے کام لیتا ہے۔

ہماری زندگی کے یہ سارے مراحل،

یعنی ——————ایک وقت وہ تھا جبکہ ہماری زندگی کے ذرّات اس زمین کی گہرائی میں دبے ہوئے تھے،

پھر یہ ہمارے ماں باپ کے جسم میں منتقل ہوئے ——————

اس کے بعد ——————

ہم نے ایک کامل انسان کی صورت میں وجود حاصل کرلیا۔

یہ تمام مراحل کس نے طے کرائے ——————؟

ظاہر ہے کہ ——

اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی نے ہمیں ان تمام مراحل سے گزارا ہے۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ ——

خداوندِ عالم نے پہلے بھی اپنی قدرت نمائی کے ذریعے ہمیں اسی دنیا میں خاک سے وجود بخشا ہے۔ اسی طرح وہ خدا جو ایسی قدرت رکھتا ہے ایک بار پھر اس کام پر قادر ہوگا ——

یعنی جب ہم اپنی موت کے بعد خاک ہو چکے ہوں گے ——

خداوندِ عالم ہم کو دوبارہ خاک کے دل سے نکال کر زندہ کرے گا۔

تاکہ ہم اپنی زندگی کے اعمال کا حساب دینے کے لیے ——

میدانِ حشر میں صف آرا ہو جائیں ——!

۴

خلوت اور تنہائی میں بھی گناہوں سے بچیے

"اِتَّقُوْا مَعَاصِیَ اللّٰہِ فِی الْخَلَوٰاتِ فَاِنَّ الشَّاھِدَ ھُوَ الْحَاکِمُ"

ح/۳۲۴

ترجمہ:

"خلوت اور تنہائی میں بھی گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کرو اس لیے کہ جو آج تمھارے گناہوں کو دیکھ رہا ہے وہی کل قیامت کے دن کرسیٔ عدالت پر بیٹھے گا اور تمھارے جرائم کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔"

شرح:

بعض کوتاہ فکر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انھوں نے خلوت اور تنہائی میں گناہ کیے اور ان کے گناہوں کا کوئی عینی شاھد موجود نہ ہو تو وہ سزا و جزا سے بچ جائیں گے۔

ان کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے اور وہ دانستہ طور پر اس حقیقت سے آنکھیں چُرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور وہ خلوت و تنہائی میں بھی اپنے بندوں کے اعمال دیکھ رہا ہے۔

امام صادق علیہ السّلام کا ارشاد ہے :

" جو شخص لوگوں سے چھُپ کر تنہائی میں ——
گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے ——
اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے، جو بحری جہاز پر سوار ہو
اور اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھ کر ——
جہاز کی تہہ میں سوراخ کر رہا ہو ——— ؛
یہ بات ظاہر ہے کہ ——
نہ کوئی شخص اُس کی اِس حرکت کو دیکھ رہا ہے ——
نہ کوئی اُسے اس کام سے باز رکھنے والا وہاں موجود ہے،
نہ کوئی سزا دینے والا ——— ،
لیکن اُس شخص کو اپنے اِس جرم کی سزا خود بھگتنی ہوگی اور وہ
بُرے انجام سے خود کو نہیں بچا سکے گا اور
دوسرے بندگانِ خدا کو بھی وہ نقصان پہنچانے کا سبب بنے گا
کیونکہ بالآخر اس کے کیے ہوئے سوراخ کے ذریعہ پانی جہاز
میں بھرنا شروع ہوگا اور اس کے کمرے میں بھی پہنچ جائیگا اور
پورا جہاز اپنے تمام مسافروں کے ساتھ پانی میں غرق ہو جائے گا۔"

گناہ خواہ خلوت و تنہائی میں ہی کیوں نہ کیا جائے گناہ کرنے والے کو آخر کار اس کی سزا مل کر رہے گی اور معاشرہ پر بھی اس کے گناہ کے بُرے اثرات مرتّب ہوں گے۔

یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ ـــــــ

اللہ تعالےٰ بصیر و علیم ہے ـــــــــــــ!

انسان خواہ خلوت و تنہائی میں گناہ کرے اور اسے دیکھنے والا وہاں

کوئی موجود نہ ہو ـــــــ اللہ تعالیٰ تو بہر حال اُسے دیکھ رہا ہے ــــــ

اور وہ اس کے گناہوں کا شاہد ہے۔

جب خدائے توانا اور بصیر نے خود اُس کے گناہوں کو دیکھا ہے تو وہ

قیامت کے دن، خدا کے انصاف سے کس طرح بچ سکے گا ــــــ؟

۵

عقل کا تعلّق کلام سے

"اِذَا تَمَّ الْعَقْلُ نَقَصَ الْکَلَامُ"

ح/۱۷

ترجمہ:

"انسان جب اپنی عقل میں کامل و پختہ ہو جاتا ہے تو اس کا کلام مختصر اور کوتاہ ہو جاتا ہے۔"

شرح:

انسان جس قدر اپنے عقل وشعور میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور مرحلۂ کمال سے قریب ہونے لگتا ہے اسی قدر وہ باتیں کم اور غور و فکر زیادہ کرتا ہے۔

جو لوگ بہت زیادہ باتیں کرتے ہیں اور اپنی زبان کو لگام نہیں دیتے، ان کی عقل کم اور فکر کوتاہ ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ——

وہ نہ بات کرنے سے پہلے سوچتے ہیں اور نہ گفتگو کے دوران کہ وہ کیا

کہہ رہے ہیں بس جو کچھ زبان پر آتا ہے بغیر سوچے سمجھے بولے چلے جاتے ہیں۔

اس کے برعکس ——

عقل مند لوگ اس وقت تک زبان نہیں کھولتے ——

جب تک ——

زیرِ بحث مسئلے کو اچھی طرح سمجھ نہیں لیتے اور اس کے اچھے بُرے پہلوؤں کا پوری طرح جائزہ نہیں لے لیتے۔

یہی وجہ ہے کہ عقل و دانش رکھنے والے لوگ کم بولتے ہیں اور کسی مسئلے پر اظہارِ خیال کرنے سے پہلے اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے اپنا کچھ وقت صرف کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی ایک دوسری حکیمانہ بات میں ارشاد فرمایا ہے:

"عقل مند آدمی کی زبان اس کی عقل کے پیچھے ہوتی ہے۔"

یعنی ——

عقل مند آدمی اپنی زبان سے پہلے اپنی عقل سے کام لیتا ہے، کسی کام کے آغاز سے پہلے خوب سوچ بچار کر لیتا ہے اور عقل و شعور کو پوری طرح استعمال کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے اس کے درست ہونے پر خود کو پوری طرح مطمئن کر لیتا ہے اور اس کے بعد اپنی زبان کھولتا ہے۔

اس کے برعکس نادان آدمی کچھ سوچے سمجھے بغیر ہی بولنا شروع کر دیتا ہے اور بسا اوقات اپنی بے معنی اور بغیر سوچی سمجھی باتوں کی وجہ سے خود کو بھی اور دوسروں کو بھی زحمت اور پریشانی سے دوچار کر دیتا ہے۔

۶

حق تو ایک ہی ہوتا ہے

"مَا اخْتَلَفَتْ دَعْوَتَانِ اِلَّا كَانَتْ اِحْدَاهُمَا ضَلَالَةً"

ح/۱۸۳

ترجمہ:

"جب بھی کسی ایک معاملے میں دو مختلف دعوے کیے جاتے ہیں تو اُن میں سے ایک دعویٰ باطل ہوتا ہے۔"

شرح:

اکثر دیکھا گیا ہے کہ دو[۲] اشخاص یا دو[۲] گروہ کسی ایک مسئلے پر ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک جو موقف اختیار کرتا ہے وہ دوسرے کے موقف کی بالکل ضد ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے دعوے کو صحیح اور دوسرے کے دعوے کو غلط قرار دیتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ــــ
حق ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے ــــــــ!
اور جو بات حق ہوتی ہے وہ دو الگ اور مختلف صورتیں اختیار نہیں کرتی۔

اگر دونوں بظاہر درست اور برحق بھی نظر آئیں تو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو ایک حد تک غلط اور باطل تسلیم کرلیا جائے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ــــــ
جب دو۲ آدمی ایک معاملے میں دو مختلف دعوے کرتے ہیں ــــ
ــــــ تو دونوں کے دعووں کو ــــــ
بیک وقت درست اور برحق قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اگر ہمیں اس بات کا بھی یقین ہوجائے کہ دونوں اپنے دعووں میں غلطی نہیں کر رہے ہیں تب بھی ہمیں قطعی طور پر اپنے آپ کو مطمئن کرنا ہوگا کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟

جب بھی کسی شخص کو ایسے اختلاف کرنے والے دو۲ اشخاص یا دو۲ گروہوں سے واسطہ پڑے تو اس کا فرض یہ ہے کہ وہ دونوں کے موقف اور دعووں کا باریک بینی کے ساتھ جائزہ لے۔

تاکہ جو کچھ حق ہے اسے معلوم کرسکے۔ اور پھر حق کا انتخاب کرے۔
اور باطل سے دُوری اختیار کرے۔

۷

قرآن کی جامعیت

"وَفِی الْقُرْآنِ نَبَاءُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ بَيْنَكُمْ"

ح/۳۱۳

ترجمہ:

"تمھاری پچھلی نسلوں کی سرگزشت اور تمھاری آئندہ نسلوں سے متعلق اطلاعات اور تمھارے روزمرّہ کے معاملات سے تعلق رکھنے والے احکام اور ضوابط سب قرآن میں موجود ہیں۔"

شرح:

اس دنیوی زندگی میں انسان جن چیزوں کا محتاج ہے وہ بالکلیہ طور پر ان تین باتوں سے باہر نہیں ہیں:

سب سے پہلے انسان یہ جاننا چاہتا ہے کہ ——

اس کے ماں باپ، اجداد اور اس کے بزرگوں نے کس طرح زندگی گزاری
ان کے سوچنے سمجھنے کا انداز کیا تھا ——— ؟
وہ بالآخر کس انجام سے دوچار ہوئے ——— ؟
اور کس حال میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ——— ؟
اس کے بعد انسان یہ جاننا چاہتا ہے کہ
اس کے مرنے کے بعد دنیا کن مراحل سے گزرے گی ——— ؟
اور اس کی آئندہ نسلیں کن حالات سے دوچار ہوں گی ؟
اور مستقبل کی دنیا میں انھیں کن مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا ؟
پھر انسان یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ
ماضی اور مستقبل کے اس درمیانی دور میں جس کے اندر وہ زندگی بسر
کر رہا ہے لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آئے ——— ؟
اور جو معاملات دوسروں کے اور اس کے درمیان جاری ہیں انھیں
کن اصولوں اور قاعدوں کے مطابق طے کرے تاکہ اس کے قدم کسی غلط راستے پر
نہ اٹھیں اور وہ ایسی راہ پر چلے جو آرام و سکون اور نجات کی راہ ہو۔
قرآن مجید الٰہی اور آسمانی کلام ہے ———
اور انسانی زندگی کی تعمیر کرنے والی اور اسے روشن کرنے والی
کتاب ہے ———
اس مقدس کتاب نے انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے ———
ان تین بنیادی موضوعات کے بارے میں ———
ایسی واضح رہنمائی فراہم کی ہے کہ جس میں کوئی شک اور شبہ
کی بات نہیں ہے ۔

اب اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ——————
عقل و فہم کے ساتھ زندگی بسر کریں اور گمراہی کے دلدل میں
نہ دھنس جائیں اور نیک بختی کی راہ پر چلیں ——
تو ہمیں غور و فکر کے ساتھ قرآن پڑھنا چاہئیے ——————
اور اس کے معنیٰ و مطلب کو سمجھنا چاہئیے اور ہم کو اس کی ہدایات کو
اپنی زندگی کا دستور قرار دینا چاہئیے ۔

اور ——————
اس کے قوانین و احکام پر عمل کریں ۔

۸

بدکار لوگوں کے کام سے خوش ہونا

"اَلرَّاضِیْ بِفِعْلِ قَوْمٍ کَالدَّاخِلِ فِیْہِ مَعَھُمْ وَعَلٰی کُلِّ دَاخِلٍ فِیْ بَاطِلٍ اِثْمَانِ اِثْمُ الْعَمَلِ بِہٖ وَاِثْمُ الرِّضٰی بِہٖ"

ح/۱۵۴

ترجمہ:

"اگر کوئی شخص لوگوں کے کسی گروہ یا جماعت کے کام کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے تو وہ اس شخص کے مانند ہے جو خود اس گروہ میں شامل ہو کر اس کے کام میں شریک ہو اور جو بھی شخص کسی بُرے کام میں کسی کا ساتھ دیتا ہے وہ دو گُناہ کرے گا۔ ایک بُرے کام میں ساتھ دینے کا گُناہ اور دوسرے اس کام کی انجام دہی پر اپنی رضامندی ظاہر

کرنے کا گناہ ۔"

شرح :

اسلام ایک ایسا دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو خلوت و تنہائی میں زندگی گزارنے اور ایک چار دیواری میں بند ہو کر رہنے سے منع کرتا ہے۔

اس کے برعکس وہ سب کو اجتماعی و سماجی زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس نے ایک ایسی برادرانہ اجتماعی زندگی کے لیے جس میں سب لوگ ایک دوسرے کے تعلق سے کچھ فرائض اور ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں مکمل قوانین دیے ہیں۔

ان قوانین کے ان گنت روشن پہلوؤں کو اسلام کی درخشاں تعلیم میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

اسلام کے ان قوانین کی بنیاد پر ——————

اچھا ہونا اور اچھی زندگی بسر کرنا یہ نہیں ہے کہ ہم خود کو دوسروں سے الگ تھلگ کرلیں اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت میں مشغول ہو جائیں اور معاشرہ کے دوسرے افراد سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔

اس صورت میں ہم سے خواہ کوئی گناہ سرزد نہ ہو ؛

ہم دوسروں کے ان گناہوں میں برابر کے شریک قرار پائیں گے جو ہمارے پڑوس میں اور ہماری آنکھوں کے سامنے انجام پائیں گے۔

دوسرے الفاظ میں ایک سچے مومن اور حقیقی مسلمان کو دوسروں کے غلط اور باطل کاموں کو خاموشی سے برداشت نہیں کرنا چاہیے اور تماش بین بن کر نہیں رہنا چاہیے کیونکہ اس کی خاموشی اس بات کا ثبوت ہوگی کہ وہ ان باطل کاموں کا مخالف نہیں ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی کام کا مخالف نہیں ہوتا تو گویا وہ اس کام کے انجام پانے پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔

اور دوسروں کے باطل کاموں پر راضی ہونا خود ان کاموں میں شرکت کرنے کے مساوی ہے۔

اسی لیے امام علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ ــــــــــ

ایک مسلمان اور مومن کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ خاموش ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور دوسروں کے باطل کاموں کا تماشہ دیکھے۔

کیونکہ اس صورت میں اس سے دو گناہ سرزد ہوں گے ــــــ

ایک تو اس کام کے انجام پانے کے لیے اپنی رضامندی کے اظہار کا گناہ ــــــــــ

اور دوسرے خاموش اور تماشہ بین بن کر اُس غلط کام میں شریک قرار پانے کا گناہ۔ ایسا شخص درحقیقت اس شخص کی طرح ہے جس نے کسی باطل کام میں بذاتِ خود عملاً شرکت کی ہو۔

۹

اچھے رفیقِ سفر اور اچھے ہمسایہ کی تلاش

سَلْ مِنَ الرَّفِيْقِ قَبْلَ الطَّرِيْقِ
وَعَنِ الْجَارِ قَبْلَ الدَّارِ۔"

خطوط/۳۱

ترجمہ:

"منزل کا راستہ پوچھنے سے پہلے رفیقِ سفر کے بارے میں پوچھو اپنے لیے کسی مکان کا انتخاب کرنے سے پہلے ہمسائے کے بارے میں دریافت کرو۔"

شرح:

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے اس ارشاد کی بنا پر فارسی میں اس ضرب المثل کا رواج ہوا:

"بگو رفیقت کیست تا بگویم چگونہ آدمی ہستی۔"

بتاؤ تمھارا دوست کون ہے پھر میں یہ بتا سکوں گا کہ تم کس طرح کے آدمی ہو۔

ایک شاعر نے اسی حکیمانہ بات کو شعر کا جامہ پہنایا ہے :

تو اوّل بگو، با کیان زیستی ؟
پس آنگہ بگویم کہ تو کیستی

تو پہلے یہ بتا کہ کن لوگوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے پھر میں یہ بتا سکوں گا کہ تو کس قماش کا آدمی ہے ۔

جنابِ امیر علیہ السلام کا یہ حکیمانہ قول خبردار کرتا ہے کہ ——

انسان کو سمجھ بوجھ سے کام لینا چاہیئے ——————

اور جب بھی کبھی کسی سفر کا قصد کرے تو اسے بُرے ہم سفر اور رفیقِ راہ سے دُور رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔

اسی طرح گھر کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ بُرے اور گمراہ لوگوں کا ہمسایہ نہ بنے ۔

کیونکہ بُرے ہم سفر اور گمراہ ہمسائے نہ صرف نقصان اور پریشانیوں کا باعث بنتے ہیں بلکہ اپنی مسلسل ہمراہی اور ہم نشینی کے ذریعہ فکر و عمل پر بُرے اثرات ڈالتے ہیں ۔

بسا اوقات انسان گمراہ اور بُرے لوگوں کے ساتھ ایک عرصے تک رہتے رہتے غیر شعوری طور پر رفتہ رفتہ خود بھی فساد اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔

اسی لیے ہمیں پوری طرح بیدار رہنا چاہیئے ——————

اور ہم جو بھی کام انجام دیں اس میں ایسے لوگوں کو اپنا رفیق اور شریک کار بنائیں جن کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ باایمان ، پاکیزہ اور نیک کِردار رکھنے والے ، صحیح طرزِ عمل اختیار کرنے والے ہیں ۔

یہ حکیمانہ بات اس جانب بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ جب

کبھی ہم کسی راہ کے انتخاب کرنے اور کسی کام کے انجام دینے میں شک اور تردّد سے دوچار ہو جائیں یا اگر ہم یہ محسوس کریں کہ صحیح راہ کے انتخاب کرنے کی ہمیں قدرت حاصل نہیں ہے ——————

تو اس صورت میں آنکھیں بند کر کے کسی راہ پر چل پڑنے یا کوئی کام شروع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ پہلے ہم دوسروں کا جائزہ لیں ——————

یعنی یہ معلوم کریں کہ ——

عقل و دانائی، ایمان اور پاکیزہ کردار رکھنے والے لوگ کس راہ پر چل رہے ہیں اور انھوں نے کون سا طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے تاکہ ہم بھی اسی راہ کو اختیار کر سکیں۔

اس صورت میں نہ صرف یہ کہ ہم گمراہی اور فساد میں مبتلا نہیں ہوں گے بلکہ ہمیں اچھے رفیق کار اور اچھے ساتھی بھی میسّر آجائیں گے۔

۱۰

خودرائی اور مشاورت

"مَنِ اسْتَبَدَّ بِرَأْيِهِ هَلَكَ وَ مَنْ شَاوَرَ الرِّجَالَ شَارَكَهَا فِي عُقُولِهَا"

ح/۱۶۱

ترجمہ:

"خودرائی کے ساتھ کام کرنے والا ہلاک ہو جاتا ہے اور جو شخص ممتاز و منتخب اور دانشمند لوگوں سے مشورہ کرتا ہے اسے ان کی عقل و دانش سے حصّہ ملتا ہے۔"

شرح:

جو شخص تمام کاموں میں صرف اپنی رائے اور اپنے نظریے کو درست سمجھتا ہے اور کسی دوسرے شخص کی رائے و خیال اور نقطۂ نظر کو کوئی اہمیت نہیں دیتا وہ دوسروں سے زیادہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو تمام چیزوں کا علم رکھتا ہو اور تمام مسائل اور مشکلات کے لیے صحیح اور قابلِ عمل حل پیش کر سکتا ہو۔

کوئی شخص خواہ کتنا ہی عقل مند اور دانشور کیوں نہ ہو وہ ایسے مسائل سے دوچار ہو سکتا ہے جن کا صحیح اور قابل عمل حل معلوم کرنا اس کی عقل و فہم کے لیے ممکن نہ ہو۔

اگر کوئی شخص خود رائے ہو ——

اور خود اپنی رائے کے سوا کسی کی رائے کو قبول نہ کرے تو وہ یقیناً مسائل کا حل تلاش کرنے میں غلطی سے دوچار ہو جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی غلطیوں کا مرتکب ہو جائے جو اس کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیں اور اسے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیں۔

اس کے برعکس ——

ایک ایسا شخص جو صرف اپنی رائے پر تکیہ نہیں کرتا ——

اور گوناگوں مسائل کے بارے میں دوسروں سے مشورہ کرتا ہے —— وہ کامیابی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے ——

خصوصاً اگر کوئی شخص عقل مند اور دانش مند اور صائب الرّائے لوگوں سے مشورہ کرتا ہے تو دراصل وہ دوسروں کی فکر و دانش سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سب کے عقل و فہم سے حصّہ حاصل کرتا ہے۔

جب ہمیں کوئی وزنی چیز ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانی ہوتی ہے اور اس کا اٹھانا ہماری قدرت سے باہر ہوتا ہے ——

تو ہمیں دوسروں کی مدد حاصل کرنی پڑتی ہے ——

جب کچھ لوگ آگے آتے ہیں اور ہماری مدد کرتے ہیں ——

—— تو دراصل ——

وہ اپنے زور بازو میں ہمیں شریک کرتے ہیں اور اپنی قوت و توانائی

کا کچھ حصہ ہمیں دیتے ہیں۔

عقل و فکر سے تعلق رکھنے والے مسائل کا بھی یہی معاملہ ہے۔

جب ہمیں ایسے مسائل درپیش ہوں ——

جن کے حل کرنے سے ہم عاجز ہوں —— تو ہمیں دوسروں کی عقل و دانش سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔

اس صورت میں ہم خود کو ——

دوسروں کی سمجھ بوجھ میں شریک کر سکیں گے اور ان کی فکر و نظر سے ہمیں کچھ حصہ مل سکے گا۔

——— ✳ ———

۱۱

عِلم کی فضیلت دَولت پر

اَلْعِلْمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَالِ، اَلْعِلْمُ يَحْرُسُكَ
وَاَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ، وَالْمَالُ تَنْقُصُهُ
اَلنَّفَقَةُ وَالْعِلْمُ يَزْكُوْ عَلَى الْاِنْفَاقِ
وَصَنِيْعُ الْمَالِ يَزُوْلُ بِزَوَالِهٖ۔"

ح/۱۴۷ از فرمائشات امامؑ
بہ کمیل بن زیاد

ترجمہ:

"دانش دنیا کے مال سے بہتر ہے، کیونکہ دانش تیری نگہبان ہے لیکن مال کی نگہبانی تجھے خود کرنی ہوگی، دنیا کا مال خرچ کرنے پر گھٹتا چلا جاتا ہے اس کے برعکس عقل و دانش کو

جس قدر استعمال کیا جائے اور تقسیم کیا جائے
وہ بڑھتی چلی جاتی ہے. دولت کے ذریعے جو کچھ
بھی بنایا جاتا ہے اور حاصل کیا جاتا ہے وہ
دولت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ہاتھ سے نکل
جاتا ہے۔"

شرح:

حضرت علی علیہ السّلام نے اکثر اپنے حکیمانہ اقوال میں دانش اور مالِ دُنیا کا موازنہ کیا ہے اور آپؑ نے ہمیشہ مال کے مقابلے میں دانش و حکمت کو برتر اور گراں بہا قرار دیا ہے ——

اپنے اس قول میں بھی آپؑ نے حکمت و دانش کی اس برتری کی بات کی ہے جو اسے مالِ دنیا پر حاصل ہے اور اس کے لیے آپ نے تین دلیلیں پیش فرمائی ہیں:

پہلی دلیل تو یہ ہے کہ

دانش انسان کو دنیوی زندگی کی مشکلات ——————
اور آخرت میں پیش آنے والی پریشانیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔
اور ان خساروں اور نقصانات سے بچاتی ہے جو نادان اور جاہل انسان کے حصّے میں آتے ہیں۔

اس کے برعکس دنیا کا مال ——————
خود اپنی حفاظت کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے صاحبِ مال کو اپنا وقت، اپنی عقل اور اپنی طاقت صرف کرنی ہوتی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ

صاحبِ مال جب اپنے مال میں سے کچھ کسی کو دیتا ہے تو اسی قدر مال

اس کی دولت میں سے کم ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس ـــــــ

جب صاحبِ علم اپنے علم میں سے کچھ دوسروں کو دیتا ہے، دوسروں کو اپنے علم میں سے کچھ سکھاتا ہے تو خود اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے ـــ

کیونکہ جس قدر وہ دوسروں کو سکھائے گا اور پڑھائے گا ـــــــ اسی قدر اس کا علم وفن تازہ ہوتا چلا جائے گا اور اُسے اپنے علم وفن میں زیادہ سے زیادہ مہارت ہوتی چلی جائے گی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ

جب دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو جو کچھ اس دولت کے ذریعے بنایا گیا تھا اور فراہم کیا گیا تھا، وہ بھی رفتہ رفتہ ہاتھ سے نکلتا چلا جاتا ہے۔

مثلاً، اگر کسی شخص نے اپنے مال کے ذریعہ کوئی مقام و مرتبہ حاصل کیا تھا یا کچھ لوگوں کے درمیان اسے اپنی دولت کی بنا پر ظاہری عزت اور احترام حاصل ہوا تھا، یا کچھ لوگ اس کی دولت کو دیکھ کر اس کے دوست بنے تھے اور اس کے اطراف جمع ہو گئے تھے۔

تو دولت کے ہاتھ سے نکلتے ہی ـــــــــــــــ

وہ مقام و مرتبہ بھی اس کے ہاتھ سے چلا جائے گا اور اپنے حلقۂ احباب میں بھی اسے وہ عزت و احترام حاصل نہیں رہے گا۔

جبکہ ایک صاحبِ علم جو کچھ اپنے علم کے ذریعہ حاصل کرتا ہے کبھی بھی اس کے ہاتھوں سے نہیں نکلتا کیونکہ جس علم کی بنا پر اس نے یہ چیزیں حاصل کی تھیں وہ علم ہمیشہ اس کے پاس موجود رہے گا۔

۱۲

جو چیز تجھے خود اپنے لیے پسند نہیں ہے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کر

"فَاَحْبِبْ لِغَیْرِكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَاَكْرَهْ لَهُ مَا تَكْرَهُ لَهَا۔"

خطوط/۳۱

ترجمہ:

"جو کچھ تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو اور اپنے لیے جو چیز پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔"

شرح:

فارسی کی ایک ضرب المثل "آنچہ بہ خود نمی پسندی بہ دیگراں روا مدار" اسی مفہوم کی حامل ہے۔ ایسی بہت سی ضرب الامثال، اشعار اور کلمات

ہیں جو اسی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا سرچشمہ جنابِ امیرؑ کے حکیمانہ اقوال ہی ہیں۔

ان تمام باتوں کا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ ——

اسلام کے گہرے اور پُرمعنیٰ اصولوں کی مختلف انداز میں تشریح کی جائے۔

اسلام کے اس حیات افروز دستور کی روشنی میں ہمارا یہ فرض اور ذمہ داری ہے کہ

ہر کام میں دوسروں کا خیال رکھیں ——،

اور ہمیشہ خود کو دوسروں کی جگہ رکھ کر دیکھیں ——

اور لوگوں کے ساتھ اسی طریقے سے پیش آئیں جس طریقے کی ہم اپنے لیے

ان سے توقع رکھتے ہیں۔

جو شخص دوسروں کی مشکلات اور تکالیف کو اہمیت نہیں دیتا اسے

یہ سوچنا چاہیے کہ کیا وہ خود بھی ایسی مشکلات اور تکالیف کو برداشت کر سکتا ہے؟

سادہ الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے ——

اگر کوئی شخص دوسروں کے جسم میں ایک موٹے سُوّے کے چبھ جانے

کو پسند کرتا ہے تو وہ ذرا انصاف کے ساتھ یہ سوچے کہ ——

کیا اُسے اپنے جسم میں ایک سُوئی کا چبھ جانا پسند ہے؟

حقیقی مسلمان اور مومن وہ ہے ——

جو زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے استفادہ کا حق دوسروں کے

لیے بھی اسی قدر تسلیم کرے جس قدر اپنے لیے تسلیم کرتا ہے ——

اور بنیادی طور پر دوسروں کی آسائش اور خوش نصیبی میں اپنی

آسائش اور خوش نصیبی تلاش کرے۔

۱۳

نصیحت قبول کرنا

"وَلَاتَكُوْنَنَّ مِمَّنْ لَاتَنْفَعُهُ الْعِظَةُ
اِلَّآ اِذَا بَالَغْتَ فِیْ اِیْلَامِهٖ ، فَاِنَّ
الْعَاقِلَ یَتَّعِظُ بِالْآدَابِ وَالْبَهَائِمَ
لَاتَتَّعِظُ اِلَّا بِالضَّرْبِ ۔"

خطوط/۳۱

ترجمہ :

"تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جو نصیحت قبول نہیں کرتے لیکن اس وقت نصیحت قبول کرتے ہیں جب اُنھیں کوئی نقصان یا تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ عقل مند آدمی، ادب اور نرمی

کے ساتھ نصیحت کو قبول کر لیتا ہے البتہ چوپائے
مار کھائے بغیر حکم نہیں مانتے اور راہ پر نہیں آتے۔"

شرح:

انسان خدا کی بہترین مخلوق ہے اسی لیے اسے
"اشرف المخلوقات" کا خطاب دیا گیا ہے۔
وہ تمام حیوانات سے بہت مختلف ہے۔ انسان اور حیوانات کے درمیان
ایک اہم ترین فرق یہ ہے کہ انسان بزرگوں اور دانشمندوں کی رہنمائی کو قبول کر لیتا ہے
جبکہ حیوانات میں یہ خوبی نہیں ہوتی ——

چنانچہ چوپایوں اور حیوانات کے مالک انھیں لکڑی یا چابک سے ضرب
لگاتے ہیں تاکہ انھیں راہ راست پر لے آئیں اور انھیں خطرات سے اور مشکلات
سے دور رکھیں۔

عقل مند انسان جانتا ہے کہ ماں باپ، یا استاد یا تمام بزرگ
لوگ جو اس سے زیادہ تجربہ رکھتے ہیں وہ اس کے فائدے اور بھلائی کے سوا اور کچھ
نہیں چاہتے ——

اسی لیے جب بھی وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا کمسن بچہ یا شاگرد ——
—— غلط راہ پر پڑ گیا ہے —— اسے وہ نصیحت کرتے ہیں اور
کوشش کرتے ہیں کہ اسے نصیحت اور ہدایت کے ذریعہ غلطیوں سے اور خطرات
سے دُور رکھیں۔

انسان اگر عقل مند ہو تو ایسے تمام مواقع پر ——،
اچھی اور نرم زبان کے ساتھ ——،
اپنے بزرگوں کی نصیحت قبول کر لیتا ہے اور بڑے ادب کے ساتھ ان کی

ہدایت کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے۔

لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو توقع کے برعکس خیر خواہ لوگوں کی نصیحت کو ٹھکرا دیتے ہیں اور اپنی غلط راہ پر ہی چلتے رہتے ہیں۔

یقیناً آپ نے یہ دیکھا ہو گا کہ ——

جب بچہ نرم زبان سے کی جانے والی نصیحت کو قبول نہیں کرتا تو ماں باپ اسے جسمانی سزا دینے، مارنے اور سختی کے ساتھ پیش آنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جبکہ عقل مند آدمی ایسا کوئی کام نہیں کرتا کہ ——

اس کے ساتھ لوگ حیوانات اور چوپایوں کا سا سلوک کرنے پر مجبور ہوں۔ اور اُسے مار پیٹ کر راہ راست پر لائیں۔ بلکہ وہ ادب اور نرمی کے ساتھ بزرگوں کی نصیحت کو قبول کر لیتا ہے اور بڑی اچھی طرح اور خوشی کے ساتھ اس راہ پر چل پڑتا ہے، جو سعادت اور خوش بختی کی راہ ہے۔

۱۴

دوستی اور دانائی

"اَلتَّوَدُّدُ نِصْفُ الْعَقْلِ"

ح/۱۴۲

ترجمہ :

" لوگوں کے ساتھ دوستی اور مہربانی کا رویہ
اختیار کرنا نصف عقل کے برابر ہے۔"

شرح :

عقل مند آدمی اور نادان آدمی کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے لیکن یہ فرق ہمیشہ اور ہر جگہ نمایاں نہیں ہوتا۔ البتہ بعض خاص مواقع پر عاقل کی عقل مندی اور نادان کی نادانی ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ

کون عقل مند ہے ـــــ اور ـــــ کون نادان ؟

ان میں سے ایک چیز کا تعلق لوگوں کے ساتھ طرزِ عمل سے ہے۔ نادان شخص دوستی اور محبت کی قدر نہیں جانتا۔ اسی لیے وہ لوگوں کو اپنا دوست نہیں بناتا اور کسی

کی بھی محبت کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا۔

اس کے برعکس ——

عقل مند آدمی اپنی عقل کے ذریعہ دوستی اور محبّت کی قدر و قیمت کو معلوم کر لیتا ہے اور اپنے لیے اچھے دوستوں کا انتخاب کرتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگوں کو اپنا دوست بناتا ہے اور اپنے دوستوں کے ساتھ ہمیشہ اُلفت اور محبّت کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

کون شخص عقل مند ہے —— اور —— کون نادان ؟

یہ معلوم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ زیرِ نظر شخص کے بارے میں یہ معلوم کریں کہ وہ لوگوں کے ساتھ دوستی اور محبّت کا رویہ اختیار کرتا ہے یا وہ کسی بھی شخص کے ساتھ اُلفت ، محبّت اور دوستی کی راہ نہیں اپناتا۔

چونکہ لوگوں کے ساتھ دوستی اور محبّت، عقل و شعور کی ایک بڑی اہم علامت ہے ، اسی لیے حضرت علی علیہ السّلام دوستی کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں ۔ آپؑ نے فرمایا :

جو شخص لوگوں کے ساتھ دوستی اور محبّت اختیار کرتا ہے ، اس بات کی علامت ہے کہ کم از کم انسانی عقل کا نصف حصّہ اس کے پاس موجود ہے۔

۱۵

کن لوگوں کے ساتھ دوستی سے پرہیز کیا جائے

اِیَّاكَ وَمُصَادَقَةَ الْاَحْمَقِ فَاِنَّهُ يُرِيْدُ اَنْ يَنْفَعَكَ فَيَضُرَّكَ، وَاِيَّاكَ وَمُصَادَقَةَ الْبَخِيْلِ، فَاِنَّهُ يَبْعُدُ عَنْكَ اَحْوَجَ مَا تَكُوْنُ اِلَيْهِ، وَاِيَّاكَ وَمُصَادَقَةَ الْفَاجِرِ، فَاِنَّهُ يَبِيْعُكَ بِالتَّافِهِ، وَاِيَّاكَ وَمُصَادَقَةَ الْكَذَّابِ، فَاِنَّهُ كَالسَّرَابِ: يُقَرِّبُ عَلَيْكَ الْبَعِيْدَ وَيُبْعِدُ عَلَيْكَ الْقَرِيْبَ۔"

ح/۳۸

ترجمہ:

"نادان کی دوستی سے دور رہ، وہ چاہتا تو یہ ہے کہ تجھے نفع پہنچائے لیکن اپنی نادانی کی

بنار پر نقصان کا باعث بنتا ہے، تنگ نظر اور
بخیل کی دوستی سے پرہیز کر کیونکہ وہ عین اُس
وقت تیرا ساتھ چھوڑ دے گا جب تجھے اس کی
مدد کی سخت ضرورت ہوگی، بدکار شخص کی دوستی
سے پرہیز کر کیونکہ وہ خود تجھے نہایت سستے
داموں بیچ دے گا، جھوٹے آدمی کو اپنا دوست
نہ بنا وہ تجھے ایک سراب کی طرح دھوکہ و فریب
دے گا: جو چیز دُور ہوگی اسے وہ تیری نظروں
میں قریب بنا کر پیش کرے گا اور جو چیز قریب
ہوگی اسے دور بنا کر سامنے لائے گا۔"

شرح:

اسلام کے اہم اصولوں میں سے ایک اصول جس کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام علیہ السلام نے بھی بہت تاکید کی ہے ——
وہ دوست اور ہم نشین کے انتخاب کا اصول ہے ——
جو لوگ بُری اور ناپسندیدہ خصوصیات اور قابلِ نفرت اوصاف کے حامل ہوتے ہیں —— اپنے دوستوں اور ساتھیوں پر منفی اثرات ڈالتے ہیں اور انھیں ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔

اس لیے دوستوں کے انتخاب میں انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔
کم از کم ان لوگوں کو تو اپنی دوستی کے لیے منتخب نہیں کرنا چاہیے ——
جو نادانی —— بخل —— بدکاری —— اور —— جھوٹ بولنے
کی صفات اپنے اندر رکھتے ہوں۔

نادان شخص خواہ وہ کتنا ہی مہربان اور مخلص کیوں نہ ہو،
ضروری عقل وفہم سے محروم ہوتا ہے ——————
اس لیے نفع ونقصان کی اس میں تمیز نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ جب وہ اپنے کسی دوست کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو نادانی کی بنا پر ایسا کوئی کام کر جاتا ہے جو الٹا اس کے دوست کے لیے نقصان کا باعث بن جاتا ہے۔

بخیل اور تنگ نظر آدمی کو ہر چیز سے زیادہ دنیوی مال واسباب سے دلچسپی ہوتی ہے اور وہ اپنی دولت میں سے ایک پیسے کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا اور دوستوں کے ساتھ اپنی دوستی کو اس وقت تک باقی رکھتا ہے جب تک وہ اس کے سامنے اپنی کوئی ضرورت بیان نہیں کرتے ——

لیکن جیسے ہی اس کا کوئی دوست اپنی حاجت اس کے پاس لے کر جاتا ہے اور زندگی میں پہلی بار انتہائی ضرورت کی بنا پر اس کی معمولی سی مدد کا طلبگار ہوتا ہے —— وہ اپنی آنکھیں پھیر لیتا ہے ——

اور اس کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا —— اور اپنے دوست کو ایسے حالات میں چھوڑ دیتا ہے جبکہ اسے مدد کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

بدکار آدمی جو زمین پر فسق وفجور اور فساد پھیلاتا ہے ——
اس کی دوستی سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

کیونکہ وہ انتہائی کم قدر وقیمت رکھنے والی چیزوں پر اپنی عزت وشرافت اور آخرت کی سعادت ونجات کو بھی قربان کر دیتا ہے ——

ظاہر ہے ایسا شخص اپنے دوستوں کی بھی قدر وقیمت کا قائل نہیں ہوگا اور انھیں بھی معمولی چیزوں کے عوض بیچ کھائے گا۔

جھوٹ بولنے والا شخص بھی دوستی کے لائق نہیں ہوتا ——

اس کی مثال سراب کی سی ہے جو دُور سے پانی کی صورت میں دکھائی دیتا ہے ——— اگر نزدیک جائیں تو وہ صحرا کی چمکتی ہوئی ریت اور مٹی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

دروغ گو آدمی سراب کی طرح ہمیشہ فریب دیتا ہے ———

اور اپنی جھوٹی باتوں کے ذریعہ اچھے کاموں کو بُرے کاموں کی صورت میں پیش کرتا ہے اور بُرے کاموں کو اچھا بنا کر پیش کرتا ہے ———

چنانچہ جو شخص بھی اس سے دوستی کرتا ہے، اس کی باتوں سے دھوکا کھا جاتا ہے اور اپنے اندر دو بڑی بُرائیاں پیدا کر لیتا ہے۔

پہلی بُرائی اس میں یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اچھے کاموں سے دور ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ وہ انھیں بُرا سمجھنے لگتا ہے ———

اور پھر دوسری برائی یہ پیدا ہوتی ہے کہ خود بُرے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے کیونکہ وہ دروغ گو دوست کی باتوں سے متاثر ہو کر ان بُرے کاموں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔

عزیز نوجوانو!

جب تم کسی کو اپنا دوست بنانا چاہو تو اس بات کا پوری طرح خیال رکھو کہ اس کا ان چار گروہوں میں سے کسی گروہ میں شمار نہ ہوتا ہو۔

امامؑ نے مسلمانوں کی خیر اور فلاح ہی کی خاطر یہ نصیحت کی ہے کہ وہ اس قسم کے لوگوں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ ان سے دُور رہیں۔

۱۶

خبردار کرنا دراصل خوشخبری دینا ہے

"مَنْ حَذَّرَكَ كَمَنْ بَشَّرَكَ"

ح/۵۹

ترجمہ:

"جو شخص تمھیں خبردار کرتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو تمھیں خوشخبری دیتا ہے۔"

شرح:

کبھی ماں باپ، بزرگ، اچھے اور ہمدرد دوست، خیرخواہی کی بنا پر اور اس خاطر کہ ہمیں بُرے کاموں سے روکیں، نرمی سے نصیحت کرنے کی بجائے اس بات پر مجبُور ہو جاتے ہیں کہ ہمیں درشت اور سخت لہجے میں بُرے انجام سے ڈرائیں اور اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کریں جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔

ممکن ہے بعض لوگ اس طرح کے ڈرانے کو پسند نہ کریں اور ڈرانے والے کے درشت لہجے سے جس کا مقصد بُرے کام سے روکنے کے سوا کچھ نہیں رنجیدہ ہوں۔

لیکن میرے عزیز نوجوانو!

یہ بات اچھی طرح سمجھ لو، جب کوئی شخص سختی اور تندی کے ساتھ بُرے کام کے بُرے انجام سے ڈراتا ہے تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جو محبت آمیز اور نرم لہجے میں تمھیں خوشخبری سُناتا ہے۔

مثلاً ——————

جب کوئی تمھیں اسکول میں کاہلی سے اور گھر میں کھیل تماشے سے روکتا ہے اور سخت لہجے میں تم سے کہتا ہے کہ ——

اپنا سبق یاد کرنے میں سُستی سے کام نہ لو——

کیونکہ اس طرح تم جاہل اور نالائق بن کر بڑے ہوگے اور بدنصیب قرار پاؤگے ——

تو دراصل وہ تمھیں خوشخبری دیتا ہے اور کہتا ہے ——

تم اوّل درجے میں کامیاب ہوئے ہو اور تمھیں بہت بڑا انعام ملے گا۔

ڈرانے والے اور تنبیہ کرنے والے سے ناراض نہ ہو بلکہ خوش ہو اور اس کا شکریہ ادا کرو کیونکہ بروقت اور صحیح تنقید انسان کو اس کی غلطی کی جانب متوجہ کرتی ہے، اس کے عیب اور خامی کو دُور کرنے کا باعث بنتی ہے۔

۱۷

خودپسندی

"اَلْاِعْجَابُ یَمْنَعُ مِنَ الْاِزْدِیَادِ"

ح/۱۶۷

ترجمہ:

"خودپسندی ترقی اور حصولِ کمال کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔"

شرح:

ایک بہت بڑی بُرائی جس میں عموماً لوگ مبتلا ہیں وہ غرور اور خودپسندی ہے۔ خودپسند وہ شخص ہوتا ہے جو خود کو ہر چیز میں سب سے بہتر اور بالاتر سمجھتا ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ کوئی شخص علم و دانش اور فہم و شعور میں اس کے پائے کو نہیں پہنچ سکتا ——

جو بھی شخص اس بُرائی میں مبتلا ہوتا ہے، دو اعتبار سے غلطی اور نقصان کا شکار ہوتا ہے ——

پہلے تو اس طرح کہ خود کو سب سے بڑا عقلمند اور سب سے بڑا دانشمند سمجھتا ہے اس لیے علم و دانش کے حصول کو اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتا اور حصول تعلیم سے باز رہتا ہے اپنی اس کم علمی کے ساتھ وہ جس راہ میں بھی قدم رکھتا ہے، اس کے لیے ترقی کرنا اور آگے بڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ چونکہ خود پسند آدمی کسی کو اپنے سے زیادہ عقلمند نہیں سمجھتا اس لیے جب وہ کسی نازک مسئلے یا مشکل سے دوچار ہوتا ہے تو وہ کسی سے مشورہ نہیں کرتا اور جو لوگ عقل اور دانش میں اس سے زیادہ ہوتے ہیں ان سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا۔ اس صورت میں مشکلات و مسائل کے حل کرنے اور زندگی کی بند راہوں کو کھولنے سے عاجز رہتا ہے اور ہمیشہ مشکلات کے بھنور میں چکر کھاتا رہتا ہے۔ نہ کبھی اپنے لیے ترقی و پیشرفت کی راہ کھول سکتا ہے اور نہ کمال کی جانب قدم بڑھا سکتا ہے۔

۱۸

رشتہ داروں کا احترام

"وَاَکْرِمْ عَشِیْرَتَکَ....."

خطوط/۳۱

ترجمہ:

"اپنے خاندان والوں کا اپنے رشتہ داروں کا اور ہم قبیلہ لوگوں کا احترام کرو۔"

شرح:

امام علیہ السلام نے اس خوبصورت ذو معنی جملے میں صلہ رحمی کی حفاظت اور اس پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے۔

قرآن اور اسلامی روایات میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس حد تک زور دیا گیا ہے کہ صلۂ رحمی پر عمل نہ کرنا بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔

صلۂ رحمی کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ پُرخلوص تعلقات برقرار رکھے اور ان سے اچھی طرح ملتا جلتا رہے۔ مہربانی، نرمی اور گرمجوشی کے ساتھ ان سے ملاقات اور مزاج پرسی کرتا رہے، ان کی مشکلات اور پریشانیاں دور کرنے

ہیں ان کی مدد کرے اور جب بھی انھیں کوئی مشکل درپیش ہو اور انھیں مدد کی ضرورت ہو اُن کی مدد کرنے سے دریغ نہ کرے۔

امامؑ نے نہایت خوبصورت اور مؤثر انداز میں ہمیں بتایا ہے کہ رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔

امامؑ کے فرمان کے مطابق رشتہ داروں کی مثال پَروں اور بازوؤں کی سی ہے جن کی مدد سے فضا میں پرواز کی جاسکتی ہے اور آسانی کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچا جاسکتا ہے۔

پَر و بازو کے بغیر ——— یعنی ——— ہمدرد، مدد کرنے والے اور مہربان خاندان و برادری کے بغیر ہم پرواز کے قابل نہیں ہوسکتے اور تیزی کے ساتھ اپنا مقصد حاصل نہیں کرسکتے۔

ایک دوسرے انداز میں اس بات کو سمجھا جائے تو ——— ؛

ہم سب ایک درخت کی شاخوں اور پتّوں کی طرح ہیں جس کے رگ و ریشہ کو برادری اور خاندان کے لوگ مل کر تشکیل دیتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے استحکام اور ہمارے ثبات کا انحصار ان ہی لوگوں پر ہے۔ ہمارے رشتہ دار ہمارے بازوؤں کی طرح ہیں جن کی مدد سے ہم اپنے دشمنوں کو دور رکھتے ہیں اور اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔

اس اعتبار سے اگر ہم اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اپنی آمد و رفت برقرار رکھیں اور ان کے ساتھ مہربانی، خلوص و محبت کے ساتھ پیش آئیں تو ہم مختلف کاموں کے انجام دینے میں ——— اور ——— مشکلات و مسائل کے حل کرنے میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکیں گے ———،

اور مصیبتوں کے مواقع پر ایک دوسرے کی مدد کے لیے دوڑ سکیں گے اور

زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کی طاقت سے مدد حاصل کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔

لیکن یہ سب کچھ اس شرط کے ساتھ درست ہوگا کہ

ہم میل جول، باہمی محبت اور امداد کے لیے ایماندار، دیانت دار اور خداترس رشتہ داروں کا انتخاب کریں

کیونکہ جو قریبی عزیز، دین، ایمان اور تقویٰ سے بے بہرہ ہوتے ہیں وہ زندگی میں نقصان، پریشانی اور اذیت پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتے۔

۱۹

سب سے بڑا عیب

"اَکْبَرُ الْعَیْبِ اَنْ تَعِیْبَ مَا فِیْكَ مِثْلُه"

ح/۳۵۳

ترجمہ:

"سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ جو عیب خود تجھ
میں موجود ہو اسے دوسروں میں تلاش کرے۔"

شرح:

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو عیب اور خامی خود ان کے کردار اور عمل میں ہوتی ہے وہ انھیں نظر نہیں آتی اور وہ اسے کسی گنتی میں شمار نہیں کرتے۔ لیکن جیسے ہی اسی خامی کو کسی دوسرے شخص کے اندر دیکھتے ہیں، فوراً عیب جوئی اور تنقید کے لیے اپنی زبان کھول دیتے ہیں اور ہر جگہ اور ہر ایک سے اس شخص کے عیب کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔

مثلاً کبھی کسی کا یہ کردار ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ دوسروں کے انسانی حقوق کی اہمیت کا قائل نہیں، لوگوں کے حقوق کو پامال کرتا ہے ——— لوگوں نے اگر کچھ

خدمت انجام دی ہے تو اس کا معاوضہ نہیں دیتا یا کم دیتا ہے یا بڑی تاخیر سے دیتا ہے ، قول و قرار کا اسے کوئی پاس نہیں ہوتا ، لوگوں سے جو وعدے کرتا ہے انھیں پورا نہیں کرتا ——————

لیکن جب کوئی اس شخص کے چھوٹے سے حق کو پامال کرتا ہے یا اُسے ایک پیسہ کم دیتا ہے یا دیر سے دیتا ہے یا اس سے کوئی معمولی سی وعدہ خلافی کرتا ہے یا اس سے کیا ہوا کوئی عہد پورا نہیں کرتا ——————

تو وہ شخص آسمان سر پر اٹھالے گا اور ہر جگہ اور ہر ایک کے سامنے اس کی عیب جوئی کرے گا اور اسے اپنی تنقید کا نشانہ بناتا پھرے گا۔

ایک شاعر نے اسی مضمون کو اپنے اس شعر میں باندھا ہے :

ببری مال مسلمان و چو مالت ببرند
داد و فریاد برآری کہ : مسلمانی نیست

" تُو خود تو مسلمان کا مال اڑا لے جاتا ہے اور جب کوئی تیرا مال لے اڑتا ہے تو چیختا چلاتا ہے کہ یہاں کوئی مسلمان ہے ہی نہیں "

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ یہ خود ایک بہت بڑا عیب ہے کہ جب تو کسی میں کوئی عیب دیکھے اور وہ تجھے بہت بُرا لگے تو اس عیب کی پردہ پوشی کرنے کی بجائے تو اس شخص کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانا شروع کر دے جبکہ خود تیرے اندر اس جیسا عیب موجود ہو لیکن اپنے اس عیب کو دور کرنے کی تجھے ذرا بھی فکر نہ ہو۔

لیکن، جناب امیرؑ کی اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ——————

جب ہم کسی شخص میں کوئی ایسا عیب دیکھیں جو خود ہماری ذات میں بھی موجود ہو تو بس اسی قدر کافی ہوگا کہ ہم خاموش رہیں —— اور —— اس شخص کی عیب جوئی نہ کریں اور اپنے عیب کو دور کرنے کی فکر بھی نہ کریں۔

اس ارشاد سے امامؑ کی مراد یہ ہے کہ ——————

جب دوسروں کے اندر کسی عیب کو دیکھ کر ہمیں تکلیف ہو تو ہمیں چوکنا ہو جانا چاہیئے اور خود اپنا جائزہ لے کر ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ کہیں یہ عیب خود ہمارے اندر تو نہیں ہے ——————؟

اگر یہ معلوم ہو کہ خود ہمارے اندر بھی یہ عیب موجود ہے تو ہمیں اپنے اس عیب کو دور کرنے کی کوشش شروع کر دینی چاہیئے۔

کیونکہ جب اس عیب کو دوسروں کے اندر پا کر ہمیں تکلیف ہوتی ہے تو ہمارے اندر اس عیب کو دیکھ کر دوسروں کو بھی یقیناً اسی طرح تکلیف ہوتی ہوگی۔

۲۰

عالی ہمّتی اور شکم پروری

لَاتَجْتَمِعُ عَزِیْمَۃٌ وَّ وَلِیْمَۃٌ

ح/۲۴۱

ترجمہ:

"عالی ہمتی کا بسیارخوری اور شکم پروری سے کوئی تعلق نہیں۔"

شرح:

جو شخص عالی ہمت ہوتا ہے وہ شکم پروری اور بسیارخوری سے دُور رہتا ہے اور جو شخص پُرخوری اور شکم پروری کی راہ اختیار کرتا ہے وہ عالی ہمت نہیں ہوسکتا۔

دوسرے الفاظ میں عالی ہمتی اور شکم پروری دونوں چیزیں انسان کے وجود میں یکجا نہیں ہوسکتیں۔

بسیارخور آدمی ہر چیز سے زیادہ اپنے پیٹ کا غلام ہوتا ہے۔ اس کی ساری فکر اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کس طرح اور کس تدبیر سے خود کو پُر رونق دسترخوان تک

پہنچائے اور اپنے پیٹ کو لذیذ غذاؤں سے بھرلے۔

اُسے نہ فرصت ملتی ہے اور نہ اس کا ذہن کسی بڑے کام کو انجام دینے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ وہ بلند عزائم کا حامل ہوتا ہے ——— اور نہ اس میں یہ ہمت ہوتی ہے کہ قابل قدر انسانی خدمات انجام دے سکے۔

شکم پرور اور چٹورا آدمی صبح ہوتے ہی لذیذ ظہرانے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ ظہرانے کے بعد اس کی ساری دوڑ دھوپ اپنے عشائیے کو مزیدار اور لذیذ بنانے کے لیے ہوتی ہے اور یہ بات قدرتی ہے کہ ایسا بسیار خور اور چٹورا آدمی رات بھی اسی فکر میں گزارے گا کہ صبح دسترخوان پر اسے ناشتے میں کیسا کچھ لذیذ کھانا ملے گا۔

لیکن جو شخص عالی ہمت ہوتا ہے اس کی فکر اور ذہن اہم مسائل کے حل کرنے اور بلند درجے کے کام انجام دینے میں مصروف ہوتا ہے۔ کہ اسے کھانے پینے تک کا ہوش نہیں رہتا اور جب بھی وہ دسترخوان پر بیٹھے گا، سادہ ترین غذا کھانا پسند کرے گا

اس کی بہترین مثال خود حضرت علیؑ ہیں ———

جن کی غذا اکثر صرف روٹی یا پھر روٹی کے ساتھ کھجور، کبھی پیاز اور کبھی نمک ہوتا تھا۔ اگر کبھی اس کے علاوہ کوئی چیز آپ کے لیے لائی جاتی تو آپ بڑی سختی کے ساتھ منع فرماتے۔

۲۱

جو کچھ تجھے میسّر ہے اُس کی قدر پہچان!

وَحِفظُ مَا فِی یَدَیکَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِن طَلَبِ مَا فِی یَدَی غَیرِکَ"

خطوط/۳۱

ترجمہ:

جو کچھ تمھارے پاس ہے اس کی حفاظت کرو کیونکہ میری نظر میں یہ اس سب سے بہتر ہے جو دوسروں کے پاس ہے اور جسے تم ان سے حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

شرح:

دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو ان چیزوں پر قانع اور راضی نہیں ہیں جو انھیں میسّر ہیں، وہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مال و دولت حاصل کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں. ان کی ساری صلاحیتیں اور طاقتیں اپنی کردار سازی اور ایمان میں ترقی کی بجائے

حصولِ مال کے لیے صرف ہوجاتی ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو خواہ کتنا ہی مال مل جائے نہ ان کی آنکھیں سیر ہوتی ہیں اور نہ دل بھرتا ہے اور اُن کی نظریں دوسروں کے مال پر لگی رہتی ہیں اور کبھی تو ان کی حرصِ مال اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنی عزّتِ نفس تک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں، خواہ کچھ دنوں ہی کے لیے سہی، دوسروں کے مال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاید آپ نے بھی دیکھا ہو ——

کہ بعض افراد جب انھیں کسی کے پاس مہمان بن کر جانا ہوتا ہے تو باوجود اس کے کہ ان کے پاس مناسب اور قابلِ استعمال لباس موجود ہوتا ہے، لیکن صرف اس بنا پر ——

کہ وہ سستے کپڑے کا اور سادہ ہوتا ہے ——

اپنے پڑوس سے بھاری لباس مستعار حاصل کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے درمیان خود نمائی کر سکیں۔

یا جب کوئی مہمان گھر پر آتا ہے تو اپنے سستے اور معمولی قسم کے برتنوں کو ایک طرف اُٹھا کر رکھ دیتے ہیں اور چینی و بلّور کے قیمتی برتن ہمسائے سے مستعار حاصل کرتے ہیں اور انھیں مہمان کے سامنے رکھتے ہیں۔

اس طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد اپنی انسانی شخصیت اور اپنی عزّتِ نفس کی اہمیت کے قائل نہیں ہوتے اور ایسے کام بھی کر گزرتے ہیں جو اسلامی اصولوں اور ہدایات کے خلاف ہوتے ہیں۔

امام علیہ السّلام نے اسی مسئلے کی وضاحت کی ہے اور ان چند نکات کو ایک چھوٹے سے ——

حکیمانہ فقرے میں سمو دیا ہے:

۱۔ قناعت :

جو کچھ تیرے پاس ہے اسی پر قناعت کر اور دوسروں کے مال پر حریصانہ نظریں نہ ڈال۔

۲۔ عزّتِ نفس :

اپنی انسانی شخصیت اور عزّتِ نفس کی حفاظت کر اور جو کچھ تیرے پاس ہے اسی پر راضی اور خوش رہ تاکہ آرزوؤں اور خواہشوں کی اذیّت اور دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے اور مانگنے کی ذلّت سے خود کو بچا سکے۔

۳۔ آبرو کی حفاظت :

دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کر کے اور دوسروں کے مال پر اپنی نظریں لگا کر اپنی آبرو کو برباد نہ کر۔

۴۔ شکرِ نعمت :

اللہ تعالےٰ نے جو کچھ تجھے دیا ہے اس کا کفران نہ کر بلکہ خدا کی نعمتوں کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کر تاکہ جو کچھ تجھے میسّر ہے اس پر خوش رہ سکے اور اس کی حفاظت کر سکے نہ کہ اپنے مال کو معمولی اور کم قیمت سمجھ کر اس کی اچھی طرح حفاظت نہ کرے اور اسے ضائع کر دے اور بعد میں دوسروں کا محتاج بن کر رہ جائے۔

۲۲

تنگدستی اور پاکدامنی یا دولت اور بدکاری

"وَالْحِرْفَةُ مَعَ الْعِفَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الْغِنٰى مَعَ الْفُجُوْرِ"

خطوط/۳۱

ترجمہ:

"عزّت کے ساتھ مزدوری کرنا ایسی دولتمندی سے بہتر ہے جو بدکاری کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو۔"

شرح:

بہت سے دولت مند ایسے ہیں جو اپنے کثیر مال کی بنا پر بظاہر ہر قسم کے آرام و آسائش کے اسباب اپنے پاس رکھتے ہیں لیکن وہ نہ صرف یہ کہ مطمئن اور آسودہ نہیں ہیں اور خوشحال و خوش قسمت نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے رات دن سخت رنج اور پریشانی میں بسر کرتے ہیں اور ان کی عمر خوف اور فکرمندی میں گزر رہی ہے کیونکہ ان دولتمندوں

میں سے اکثر نے مال و دولت حرام طریقوں اور گناہ اور نافرمانیاں کر کے حاصل کی ہوئی ہے۔

امام علیہ السلام نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

"جہاں بھی کثیر دولت جمع کی گئی ہے یقیناً اس کے قریب چند محروم انسانوں کا پائمال شدہ حق بھی دفن کیا گیا ہے۔"

اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کہیں دولت اکٹھی کی گئی ہو اور وہ تمام کی تمام حلال راستے سے حاصل کی ہوئی ہو۔ اکثر لوگ جو کثیر دولت کے مالک بن جاتے ہیں وہ ——————

مظلوم و محروم انسانوں کا حق پائمال کر کے ——————

اور دوسروں کا مال ہڑپ کر کے —————— چوری کر کے —— کم تول کر —— گراں فروشی اور احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کر کے (احتکار کا مطلب اناج کو چھپا کر رکھنا اور قحط پیدا ہونے کے بعد زیادہ داموں پر اسے فروخت کرنا ہے) کمزور افراد کا مال چھین کر —————— بیواؤں اور یتیموں کا مال کھا کر —— ملک و ملت کے ساتھ خیانت کر کے، مالدار بنتے ہیں۔

ایسی دولت جو غلط اور ناجائز طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے وہ گناہ کی گندگی سے آلودہ ہوتی ہے اور جو شخص اس طرح کی دولت رکھتا ہے اگرچہ کہ وہ بظاہر آرام و آسودگی کی زندگی گزارتا نظر آتا ہے لیکن اس کا باطن آرام و آسائش سے محروم ہوتا ہے۔ اس کی رات دن کی تمام گھڑیاں پریشانی اور اضطراب میں گزرتی ہیں —

ایک طرف خدا کا خوف اور روزِ قیامت کے حساب و کتاب کا خوف اسے ڈراتا ہے اور اس کے چین و سکون کو اس سے چھین لیتا ہے اور دوسری طرف

اسے یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں محروم اور ستم رسیدہ لوگ اس کی چوری اور لوگوں کا مال ہڑپ کرنے سے اور اس کی خیانتوں سے واقف نہ ہو جائیں اور اپنا حق وصول کرنے کے لیے اس پر چڑھ نہ دوڑیں اور اسلامی عدالت کا حکم اس پر نافذ نہ کر دیں۔

اس کے برعکس ——————

اگر کوئی شخص کم آمدنی والا کام کرتا ہے لیکن اس کام کو خدا ترسی اور دیانتداری کے ساتھ انجام دیتا ہے اور خیانت اور ظلم سے اسے آلودہ نہیں کرتا تو اس کا دل مطمئن اور اس کا ذہن آسودہ رہتا ہے۔

کیونکہ اس کی آمدنی حلال اور پاک ہے ——————

اس نے کسی کا حق پائمال نہیں کیا ہے اور کسی کا مال ہڑپ نہیں کیا ہے۔ اسی لیے اسے ذرا بھی خوف اور پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے نہیں ہوتے لیکن وہ اس پر پوری بے فکری اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر جو کچھ میسر ہو نوش جان کرتا ہے —————— اور جب وہ اپنے بستر پر دراز ہوتا ہے تو اسے نیند اڑا دینے والے ڈراؤنے خواب نظر نہیں آتے۔ وہ بڑے آرام و سکون کی نیند سوتا ہے۔ اور جب صبح کو وہ بیدار ہوتا ہے تو خود کو بڑا مطمئن اور تازہ دم پاتا ہے اور اسے حقیقی خوش نصیبی کا احساس ہوتا ہے۔

اسی لیے امام علیہ السلام نے ایسے کم آمدنی والے کام کو جو امانت و دیانت کے ساتھ انجام دیا جائے اس کام سے بہتر قرار دیا ہے جس سے کثیر دولت تو حاصل ہو لیکن گناہ کے ذریعہ۔

۲۳

ہر کام کرنے والا کسی کام کا نہیں ہوتا

مَنْ اَوْمَاَ اِلٰی مُتَفَاوِتٍ خَذَلَتْهُ الْحِیَلُ

ح/۴۰۳

ترجمہ:

"جو شخص بیک وقت کئی کاموں میں ہاتھ
ڈال دیتا ہے ان کاموں کا صحیح حل تلاش
کرنے سے عاجز رہتا ہے"

شرح:

امام علیہ السلام کے اسی حکیمانہ قول کی بنا پر فارسی میں "ہمہ کارہ ہا، ہیچ کارہ اند" کی ضرب المثل رائج ہوئی۔

افسوس کہ یہ عیب بعض افراد میں موجود ہوتا ہے، وہ خود کو ہر فن مولا سمجھتے ہیں اور ایک ہی وقت میں چند مختلف قسم کے کام انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر وہ ان تمام کاموں میں کامیاب اور سربلند ہونے کی توقع رکھتے ہیں۔

اس طرح کے لوگ نہ صرف یہ کہ اپنے کسی کام میں کامیاب نہیں ہوتے بلکہ دسیوں نئی پریشانیاں اور مسائل پیدا کر لیتے ہیں۔ جن کا حل تلاش کرنا ان کے بس میں نہیں ہوتا ——— !

اس کے علاوہ ———،

وہ معاشرہ کے کاموں کو بھی معطل کرنے کا سبب بنتے ہیں اور افرادِ معاشرہ کو بھی ان سے نقصان پہنچ جاتا ہے کیونکہ انسانی معاشرہ کے اندر لوگوں کے کام ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ اور پیوستہ ہوتے ہیں کہ اگر معاشرہ کے کسی ایک شعبے کا کام معطّل ہو جائے اور اچھی طرح انجام نہ پائے تو اس کے نتیجہ میں دوسرے کام بھی متاثر ہونے لگتے ہیں اور معطّل ہو جاتے ہیں۔

یہ ایک پُرانی مثل ہے کہ جب کوئی لالچی شکاری ایک ہی وقت میں دو خرگوشوں کو پکڑنے اور ان کے پیچھے دوڑنے کی کوشش کرتا ہے تو ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنا شکار نہیں بنا سکتا۔

اسی طرح جب کوئی شخص بیک وقت مختلف کاموں کے پیچھے دوڑتا ہے یا مختلف چیزیں سیکھنے کی کوشش کرتا ہے تو ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی نہیں سیکھ پاتا اور کسی ایک شعبے میں بھی کامل مہارت حاصل کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ڈاکٹر بھی ہوں،

انجینئر بھی ہوں ——— میں نانبائی بھی ہوں ———

قالین باف بھی ہوں ——— بڑھئی بھی ہوں ——— کھڑکیاں بنانے میں بھی مہارت رکھتا ہوں ——— ریڈیو اور ٹیلی ویژن بھی بنا سکتا ہوں۔

تو ایسے شخص کے بارے میں جان لو کہ ———

وہ ان میں سے کسی کام کے بارے میں بھی مہارت نہیں رکھتا۔

اگر وہ ان میں سے کسی کام سے واقف بھی ہو تو اس کی واقفیت بھی اس قدر کم ہوگی کہ وہ ان کاموں میں سے کوئی ایک کام بھی ٹھیک طریقے سے انجام نہیں دے سکے گا۔

پس عقلمند آدمی وہ ہے ——————

جو ہر کام میں اپنی ٹانگ پھنسانے اور ہر فن کے بارے میں تھوڑی سی واقفیت حاصل کرنے اور اپنی صلاحیتوں اور اپنے وقت کو ضائع کرنے کی بجائے اپنی پوری قوت کسی ایک فن کو سیکھنے اور کسی ایک کام کو انجام دینے میں صرف کرتا ہے تاکہ وہ اپنی انفرادی زندگی میں بھی کامیاب قرار پائے اور معاشرہ کے لیے بھی ——————— اس کا وجود زیادہ سے زیادہ سود مند ثابت ہو۔

۲۴

اُستاد کا احترام

"لَاتَجْعَلَنَّ ذَرَبَ لِسَانِكَ عَلٰى مَنْ
اَنْطَقَكَ وَبَلَاغَةَ قَوْلِكَ عَلٰى مَنْ
سَدَّدَكَ"

ح/۴۱۱

ترجمہ:

"تم اپنی زبان کی کاٹ اور تیزی کو اُس شخص کے خلاف استعمال نہ کرو جس نے تمھیں بات کرنا سکھایا ہو اور اپنی قوتِ گفتار سے اس شخص کے خلاف کام نہ لو جس نے تمھیں زبان دی ہو۔"

شرح:

امام علیہ السلام نے ہمیشہ معلّم اور استاد کے احترام کی ہدایت کی ہے اور لوگوں کو اساتذہ کے احترام کی اہمیت سے آگاہ کیا ہے۔ آپ خود علم و دانش کے سمندر تھے

اس کے باوجود ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص مجھے ایک لفظ بھی سکھائے تو ساری عمر میں اس کی غلامی کرتا رہوں گا۔

اسلام نے معلّم اور اُستاد کو کیسا بلند مقام اور مرتبہ دیا ہے اس کا اندازہ لگانے کے لیے ایک انتہائی روشن مثال اور درخشاں نمونہ ہمیں ان جنگی قیدیوں کے معاملہ میں ملتا ہے جو اسلام کے دورِ اوّل میں ہونے والی جنگوں کے دوران اسیر بنائے گئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن تمام جنگی قیدیوں کے بارے میں جو چند گھنٹوں پہلے مسلمانوں کے خلاف شمشیر بکف تھے یہ اجازت دے دی تھی کہ اگر ان میں سے کسی نے دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا تو اسے اس خدمت کے بدلے آزاد کر دیا جائے ——— !

امام علیہ السلام نے اپنے اس حکیمانہ قول میں اس بارے میں بات کی ہے اور استاد کا احترام کرنے کی اہمیت واضح کی ہے اور اس کی جانب ترغیب دلائی ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم راہ راست کی جانب رہنمائی کرنے والے اپنے پیشوا سے یہ سبق سیکھیں اور ہمیں ہرگز اپنی زبان کی کاٹ اور تیزی کو ماں باپ، بڑے بہن بھائی اور کسی بھی بولنے میں مدد دینے والے کے خلاف استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

اور اسی طرح کسی بھی وقت ہمیں اپنی قدرتِ بیان کو جو ہم نے اپنے استاد سے یا کسی دوسرے شخص کی مدد سے حاصل کی ہے خود اس کے خلاف استعمال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایسا کرنا ناشکری ہے ———،

اور اسلام میں ناشکری کو بُرا سمجھا گیا ہے اور سخت ناپسند کیا گیا ہے۔

۲۵

بے ادبوں سے ادب سیکھنا

"کَفَاكَ اَدَباً لِنَفسِكَ اجْتِنَابُ مَا تَكْرَهُهُ مِنْ غَيْرِكَ"

ح/۴۱۲

ترجمہ:

"اگر تم خود کو ادب و اخلاق سے آراستہ کرنا چاہتے ہو تو تمہارے لیے یہ بات کافی ہوگی کہ ان بُری باتوں سے دُور رہنے کی کوشش کرو جن کے دوسروں کے اندر موجود ہونے کو تم پسند نہیں کرتے۔"

شرح:

مغربی دنیا کے دانشور برسوں سے ایسی جدید راہیں اور طریقے معلوم کرنے کی کوشش کررہے ہیں جن پر عمل کر کے وہ اپنے افراد معاشرہ کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرسکیں اور اپنے بچّوں کو باادب بنا سکیں۔ اس مقصد کے لیے ان دانشوروں نے

دسیوں سال تک تحقیق کی ہے اور ہزاروں کتابیں لکھی ہیں لیکن ابھی تک وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

اگر ہم ان دانشوروں کی تمام کتابوں اور مغربی معلّموں کے تعلیم و تربیت کے سارے طریقوں کو یکجا کریں تب بھی وہ سب مل کر امام علیہ السّلام کے اس چھوٹے سے حکیمانہ قول کی برابری نہیں کرسکیں گے۔

امامؑ نے ان تمام ممکنہ طریقوں اور راہوں کو چودہ سو سال قبل اپنے اس چھوٹے سے حکیمانہ فقرے میں جمع فرمادیا جو معاشرہ کی تربیت اور اسے سنوارنے کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ——

اگر کوئی شخص خود کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا چاہتا ہے اور باادب بننا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ دشوار طریقے اختیار کرے،

اس کے لیے صرف اس قدر کافی ہوگا کہ وہ ہر اس چیز سے پرہیز کرے جو اُسے دوسروں کے اندر ناپسندیدہ اور بُری نظر آتی ہو۔

اس طریقے پر عمل کرکے وہ ان تمام بُری عادات و اخلاق سے چھٹکارا حاصل کرلے گا جو بُرے سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح وہ شخص خود کو ایک ایسا آدمی بنا سکے گا جس کے اخلاق اور عادات میں کوئی برائی نہ ہو۔

کیا باادب بننے اور اچھے اخلاق سے آراستہ ہونے کے لیے دنیا میں اس سے زیادہ آسان، سادہ اور مؤثر کوئی طریقہ ہوسکتا ہے؟

۲۶

غیبت : کمزور و ناتوان لوگوں کا طریقہ

"اَلْغِیْبَۃُ جُھْدُ الْعَاجِزِ"

ح/۴۶۱

ترجمہ :

"غیبت کرنا کمزور آدمی کا آخری حربہ ہے"

شرح :

غیبت کرنا ۔ یعنی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی بُرائی کرنا ، عیب جوئی کرنا ، بُرے ناموں سے یاد کرنا ، ایک ایسی بُری اور قابلِ نفرت عادت ہے جو بعض لوگوں میں پائی جاتی ہے ۔

جو شخص بھی غیبت کرتا ہے ، بلاشک وشبہ وہ کمزور اور بزدل آدمی ہے ۔ کیونکہ جب وہ کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور دوسروں کی برائی کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے منہ پر ان کا عیب ظاہر کرنے کی جُرأت نہیں رکھتا ——————،

چونکہ ان لوگوں کا سامنا کرنے کی اس میں جرأت نہیں ہوتی ۔ اسے آسان

اور آخری تدبیر یہی نظر آتی ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے ان لوگوں کی بُرائی کرے اور اس طرح ان سے انتقام لے اور اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرے۔

اگر کسی سچے اور حقیقی مسلمان کو کسی کے اندر کوئی بُرائی نظر آتی ہو تو اُسے انسانی جرأت اور اسلامی اخلاق کی بنیاد پر اس شخص کے رُوبرو ہو کر بات کرنی چاہیئے۔ اور اس پر تنقید کرنی چاہیئے اور بغیر کسی خوف و لالچ کے اسے نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا چاہیئے۔

اگر وہ یہ محسوس کرے کہ ——————

اس کا اعتراض اور تنقید درست نہیں ہے اور اس کے پیچھے حسد اور تنگ نظری کام کر رہی ہے تو اسے بیٹھ پیچھے کسی ایسے شخص کی بُرائی نہیں کرنی چاہیئے جو اس سے بہتر ہو اور عروج و ترقی پر پہنچا ہو ——————

کیونکہ اس طرح وہ معاشرہ کے اندر ——————

خود کو ذلیل و رسوا کرے گا۔

——————

۲۷

ایمانداری اور سچائی

"اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْثِرَ الصِّدْقَ حَیْثُ یَضُرُّكَ عَلَی الْكَذِبِ حَیْثُ یَنْفَعُكَ"

ح/۴۵۸

ترجمہ:

"ایمان کی علامت یہ ہے کہ آدمی ایسے موقع پر سچ بولنے کو جھوٹ بولنے پر ترجیح دے جبکہ سچ بولنے سے نقصان اور جھوٹ بولنے سے فائدہ پہنچ رہا ہو۔"

شرح:

ایک حقیقی مسلمان، یعنی ایسا شخص جو مضبوط اور سچّا ایمان رکھنے والا ہو اپنے اندر بعض ایسی علامات رکھتا ہے کہ جن کے ذریعے اسے بے ایمان اور کمزور

ایمان رکھنے والوں سے الگ کرکے پہچانا جاسکتا ہے۔

ان علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ——————

ایک حقیقی مومن خدا کے احکام کی اطاعت میں ہی اپنا اصل فائدہ دیکھتا ہے اور خدا کے احکام کی نافرمانی میں ہی اسے اپنا اصل نقصان نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ہمیشہ اور ہر حال میں ——

سچ بولیں اور جھوٹ سے پرہیز کریں۔

اسی لیے ایک ایماندار مسلمان کبھی اس بات پر تیار نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کی خلاف ورزی کرے خواہ سچ بول کر اسے نقصان پہنچ رہا ہو اور جھوٹ بول کر وہ فائدے میں رہ سکتا ہو۔

چنانچہ وہ جھوٹ بولنے سے انکار کر دیتا ہے اور سچ بولنے کو دل و جان سے قبول کر لیتا ہے اور جھوٹ کو کبھی زبان پر نہیں لاتا۔

کیونکہ ——————

مومن کے نزدیک اس کا اصل نفع و نقصان، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور بس ——————!

۲۸

دوسروں کی غلامی کیوں؟

"وَلَا تَكُنْ عَبْدَ غَيْرِكَ وَقَدْ جَعَلَكَ اللّٰهُ حُرًّا"

خطوط/۳۱

ترجمہ:

"دوسروں کے غلام نہ بنو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں آزاد پیدا کیا ہے۔"

شرح:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک آزاد وجود رکھنے والے موجود کی حیثیت سے پیدا کیا ہے اور اسے ایک شخصیت سے اور عزتِ نفس سے نوازا ہے اور اسے عقل وشعور، دانش وایجاد اور ارادہ واختیار کی صلاحیتوں سے آراستہ فرمایا ہے، تاکہ وہ ان صلاحیتوں سے اور اپنی جسمانی قوتوں سے کام لے۔ اپنی قوتِ فکر کے ساتھ کام انجام دے اور دوڑ دھوپ کرے اور پوری آزادی وسربلندی کے ساتھ شرافت مندانہ زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی انسان دوسرے انسان سے برتر اور بہتر نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرے سے کمتر اور بے قیمت ہے ——————

اسی لیے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کو اپنا غلام بنالے۔

اور کسی انسان کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ دوسروں کا غلام بن کر رہے، کیونکہ ——————

غلامی اور بندگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی، کی جاسکتی ہے۔ خدا کے سوا کسی شخص کو یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا کہ آدمی اس کے سامنے ذلت اور عاجزی اختیار کرے اور خود کو کمزور اور بے قیمت ظاہر کرے۔

جو شخص اپنی عزتِ نفس کا خیال رکھتا ہے اور اپنی انسانی قدر و قیمت کو پہچانتا ہے وہ یقیناً اس گراں قیمت آزادی کا احترام کرے گا۔ جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے۔

ایسا شخص ہمیشہ اپنی قوتِ فکر اور صلاحیتِ کار اور اپنی جدوجہد پر بھروسہ کرے گا اور اپنی شرافت مندانہ زندگی میں اسے جو کچھ میسر آئے گا اسی پر وہ قناعت اختیار کرے گا ——————

اور نتیجتہً وہ ہمیشہ سربلند اور آزاد رہ کر زندگی بسر کرے گا۔

البتہ ایسے ذلیل اور بے آبرو افراد بھی ہوتے ہیں جو دنیوی مال و دولت کی خاطر دولت مند لوگوں یا طاقت اور مقام و مرتبہ رکھنے والوں کے سامنے جھک جاتے ہیں اور سرِ تسلیم خم کردیتے ہیں اور خود کو ایک ذلیل اور بے قیمت غلام کی حیثیت سے پیش کردیتے ہیں ——————

تاکہ ان لوگوں کی دولت اور مرتبے سے کچھ فائدہ حاصل کرلیں اور اپنی

صلاحیت ولیاقت سے زیادہ مال اور عہدے حاصل کرلیں۔

امام علیہ السلام نے اس طرح کے افراد کی سرزنش کی ہے اور تمام مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنی آزادی اور انسانی قدر وقیمت کو جو خدا نے بطور نعمت کے عطا کی ہے پامال نہ کریں ——————

اور ——————

مال ومرتبے کے لالچ میں ——————

اپنے ہی جیسے انسان کی بندگی اور غلامی نہ کریں ——————

کیونکہ ——————

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو آزاد اور مساوی پیدا کیا ہے۔

۲۹

مذاق اور عقل

"مَامَزَحَ امْرُؤٌ مَزْحَةً اِلَّامَجَّ مِنْ عَقْلِهٖ مَجَّةً"

ح/۴۵۰

ترجمہ:

"جو شخص بھی مسخرہ پن کو اپناتا ہے وہ اپنے مسخرہ پن کے سبب اپنی عقل کے کچھ حصّے سے محروم ہو جاتا ہے۔"

شرح:

باوقار اور متین ہونے کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ——— انسان، مسخرہ پن اور مذاق سے پرہیز کرے اور سنجیدگی و متانت اختیار کرے۔

جو لوگ ہر محفل اور ہر مجلس میں مسخرہ پن کی باتیں کر کے دوسروں کو ہنسانے کی کوشش کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ وقار و متانت سے محروم ہوتے ہیں۔

وہ چھچھورے اور بے وقوف ہوتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے ایک دوسری جگہ اپنے فرزندِ گرامی امام حسن مجتبیٰؑ کے نام وصیت نامہ لکھتے ہوئے بڑی شدت کے ساتھ مذاق و تمسخر سے منع کیا ہے۔

امامؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا:

"لوگوں کے سامنے مذاق اور تمسخر کا رویہ مت اختیار کرو اور ہنسانے والی باتیں نہ کرو، حتّٰی کہ دوسروں کی ہنسی لانے والی باتیں بھی بیان نہ کرو کیونکہ یہ چیز آدمی کو بے وقار اور چھچھورا بنا دیتی ہے اور انسان کی قدر و قیمت کو ختم کر دیتی ہے۔"

شیخ سعدی نے بھی امامؑ کی اس حکیمانہ بات کو اپنے ایک شعر میں بیان کیا ہے:

ز شوخی بپرہیز، ای باخرد
کہ شوخی، تورا، آبرو می برد

"اے عقل مند! مذاق سے پرہیز کر کیونکہ مذاق تیری آبرو کو ختم کر دے گا۔"

اگر ہم اپنے ماحول کا غور سے جائزہ لیں تو ہم یہ دیکھیں گے کہ لوگ ایسے اشخاص کو نہ اہمیت دیتے ہیں اور نہ ان کی عزت و احترام کے قائل ہوتے ہیں جو بہت زیادہ شوخی و مذاق کرتے ہیں اور مسخرے پن کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

اسی لیے امام علیہ السّلام نے فرمایا ہے،
جب کوئی شخص مسخرہ پن کا رویہ اپناتا ہے وہ اپنی عقل کے ایک حصّے سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ——————

ہر مذاق و شوخی کے ساتھ انسان کی عقل کا کچھ حصہ اس سے رخصت ہو جاتا ہے اور لوگ اسے کم عقل سمجھنے لگتے ہیں، اگر کوئی شخص زیادہ منہی مذاق کرتا ہے تو وہ عقل کے زیادہ حصے سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر لوگ اسے ایسا آدمی سمجھنے لگتے ہیں جس کے پاس بالکل عقل نہ ہو۔

۳۰

کم دینا یا بالکل نہ دینا

"لَاتَسْتَحِ مِنْ اِعْطَاءِ الْقَلِيْلِ فَاِنَّ الْحِرْمَانَ اَقَلُّ مِنْهُ"

ح/۶۷

ترجمہ:

"تھوڑا دینے سے نہ شرماؤ کیونکہ بالکل نہ دینا تھوڑا دینے سے کمتر اور ناچیز تر ہے۔"

شرح:

اچھے اور پسندیدہ کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ ہم اپنے مال میں سے دوسروں کو کچھ دیں لیکن بخشش کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے مال کو پھینکیں اور غلط راستوں میں ضائع کریں۔

بخشش کے معنیٰ یہ ہیں کہ ——————

جب کوئی نیک کام سامنے آئے اور اس کے انجام دینے کے لیے تمام لوگوں کی مدد درکار ہو تو ہم بھی اپنا قدم بڑھائیں اور اپنی توانائی کی حد تک اس کارِ خیر

کے انجام دینے میں اپنی مدد بہم پہنچائیں۔

مثلاً ——————

ممکن ہے کہ ملک کو کسی جنگ کا سامنا ہو اور ہمارے ہموطنوں میں سے کچھ جنگ کی زد میں آکر اپنے گھر بار سے محروم ہو جائیں۔

یا ممکن ہے کہ ——————

سیلاب اور زلزلوں جیسی آفات کی بنا پر بعض لوگوں کے مکان اور دکانیں یا کارخانے تباہ ہو جائیں اور وہ اپنے مال اور ساز و سامان سے محروم ہو جائیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ——————

اس طرح کے حوادث کے بغیر ہی ہمارے معاشرہ کے اندر ایسے کچھ افراد زندگی بسر کر رہے ہوں جو اپنی سفید پوشی کے ساتھ فقر و فاقے سے دوچار ہوں ——————

اس طرح کے حالات میں ہمارے بعض ہموطنوں اور دینی بھائیوں کو نیک اور مومن افراد کی طرف سے امداد کی ضرورت درپیش ہو سکتی ہے۔

ایسے تمام مواقع پر ہمارا دینی و اخلاقی فریضہ یہ ہے کہ ——————

اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے مال میں سے جس قدر ممکن ہو سکے ایسے ضرورت مندوں کو دیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہماری بخشش کی مقدار بہت زیادہ اور قیمتی ہو۔ اہم بات یہ ہو گی کہ جس قدر ہمارے وسائل اجازت دیں ہم ان کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

بعض افراد اس طرح کے مواقع پر دوسروں کی مدد ضرور کرنا چاہتے ہیں لیکن چونکہ جس قدر وہ دینا چاہتے ہیں اس کی مقدار کم ہوتی ہے اس لیے وہ کچھ شرمندگی

سی محسوس کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی اس بے موقع شرم کی وجہ سے اس تھوڑی امداد سے گریز کرتے ہیں۔ نتیجتہً ضرورت مند افراد امداد کی اس کم مقدار سے محروم رہ جاتے ہیں۔

اس طرزِ فکر کی غلطی واضح کرنے کے لیے ہم یہاں ایک مثال دیں گے۔

فرض کیجیے :

جنگ سے متاثر ہونے والے ایک شخص کے لیے گھر کی تعمیر کا کام شروع کیا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے دس ہزار روپوں کا بجٹ بنایا گیا ہے۔ ہم کل ایک ہزار افراد ہیں اور ہر شخص کو دس روپے کی مدد دینی ہے۔

اگر ہم سب نے کوئی شرمندگی محسوس کیے بغیر دس دس روپے دیدیے تو مکان کی تعمیر کے لیے دس ہزار روپے بآسانی جمع ہو جائیں گے اور ان روپوں کی مدد سے مکان تعمیر ہو جائے گا۔

لیکن اگر ہم سب نے دس دس روپے کی رقم دینے میں شرمندگی محسوس کی اور اس حقیر امداد کے دینے سے اپنا ہاتھ روک لیا اور ضرورت مند افراد کو کچھ بھی نہ دیا ——————

تو پھر کوئی بھی رقم جمع نہ ہو سکے گی ——————

اور نتیجتہً وہ مکان بھی تعمیر نہ ہو سکے گا۔

ایسے موقع پر دس روپوں کا دینا بہتر ہے —— یا —— نہ دینا ؟

کیا وہ دس روپے کم ہوں گے ——

یا ——————

شرمندہ ہو کر بالکل نہ دینا ——————؟

اسی لیے امام علیہ السلام کا ارشاد ہے :

تھوڑا دینے میں شرمندگی محسوس نہ کرو ——————

کیونکہ ——————
اس شرمندگی کے سبب تم کم دینے سے احتراز کروگے ،
اور —————— ضرورت مند افراد کو کچھ بھی نہ دے سکوگے ،
حالانکہ تمھاری بخشش ،
خواہ وہ کتنی ہی کم اور ناچیز کیوں نہ ہو ——————
بالکل نہ دینا اس سے زیادہ کم تر اور ناچیز ہوگا —————— اور
نتیجتہً شرمندگی کا سبب بنے گا۔

۳۱

ایمان کیا ہے ؟

وَسُئِلَ عَنِ الْاِیْمَانِ ، فَقَالَ اَلْاِیْمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ

ح/۲۲۷

ترجمہ :

"امیرالمومنین علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا :

"ایمان کیا ہے ؟"

آپؑ نے فرمایا :

"ایمان سے مراد ہے ، قلب کے ذریعہ پہچاننا اور زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء و جوارح سے عمل کرنا ۔"

شرح :

ایمان حقیقی کی کچھ نشانیاں ہیں جس شخص میں بھی یہ نشانیاں ہوں گی وہ حقیقی مومن ہوگا۔

امام علیہ السلام نے حقیقی مومن کے لیے تین اصل اور اہم نشانیوں کا تعیین فرمایا ہے۔ ہم بھی ان نشانیوں کے ذریعہ حقیقی مومنوں کو پہچان سکتے ہیں۔

امامؑ کے ارشاد کے مطابق حقیقی مومن وہ شخص ہے جو :

- سب سے پہلے معرفتِ قلب رکھتا ہو ،

یعنی دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کے وجود کو پہچانتا ہو اور جسے دینِ اسلام کے اصولوں پر پختہ یقین ہو ،

یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت اور روز قیامت ، اللہ تعالیٰ کا عدل اور ائمہ علیہم السلام (ان پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی اور رحمت ہو) کی جانشینی۔

- دوسرے وہ زبان سے اعتراف کرے ،

یعنی اسلامی اور الٰہی عقیدے کو زبان سے ادا کرے اور ہمیشہ کلمۂ شہادت کا ورد رکھے ——————

اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کا اقرار کرے۔

- تیسرے یہ کہ اپنے اسلامی فرائض کو اپنے جسم و اعضاء کے ذریعہ ادا کرے۔

یعنی وضو کرنا ——— نماز پڑھنا ——— روزہ رکھنا ———
زبان سے بُرا نہ کہنا ——— کانوں سے بُرا نہ سننا ——— آنکھوں سے بدنگاہی نہ کرنا ——— اور اللہ تعالیٰ نے اعضائے بدن

کے لیے جو فرائض مقرر فرما دیے ہیں، انھیں صحیح اور پوری طرح
بجا لانا۔

اس بنا پر یہ کہنا درست ہوگا کہ ——————

جو شخص ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہ رکھتا ہوگا یا چند
نشانیوں سے محروم ہوگا ——

اسے خود کو حقیقی مومن نہیں سمجھنا چاہیے۔

۳۲

لڑائی جھگڑا

"لَاتَدْعُوَنَّ اِلٰی مُبَارَزَةٍ وَاِنْ دُعِیْتَ اِلَیْهَا فَاجِبْ فَاِنَّ الدَّاعِیَ بَاغٍ وَالْبَاغِیَ مَصْرُوْعٌ"

ح/۲۳۳

ترجمہ:

"کسی کو دعوتِ جنگ نہ دو لیکن اگر دوسروں نے تمھیں جنگ کے لیے پکارا تو اپنے دفاع کے لیے ان کی دعوتِ جنگ کو قبول کر لو کیونکہ جنگ چھیڑنے والا ظالم ہوتا ہے اور ظالم بالآخر زمین پر گر پڑتا ہے اور شکست کھا جاتا ہے۔"

شرح :

اسلام کے بے شمار امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ ہے کہ اس کے اصولوں میں کسی جگہ بھی دعوتِ جنگ کا اصول شامل نہیں ہے۔

کیونکہ اسلام صلح وصفائی اور امن کا دین ہے اور اسے اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ تمام مسائل کو طاقتور استدلال اور واضح دلیلوں کے ساتھ حل کرے۔

اسی لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام نے ہمیشہ منطق ودلیل سے کام لیا ہے اور انھوں نے طاقت کے استعمال کو ضروری نہیں سمجھا اور جنگجویانہ رویہ کو اختیار نہیں کیا اور اپنی طرف سے جنگ میں پہل نہیں کی ——————!

اسلام کے دورِ اوّل کی جنگوں میں پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کبھی بھی جنگ میں پیش قدمی اور پہل نہیں کی اور جنگ کے لیے کسی جانب بھی قدم نہیں بڑھایا ——————

بلکہ یہ دشمنانِ اسلام تھے کہ ——————

وہ یا تو مسلمانوں پر لشکر کشی کرتے تھے یا اس قدر انھیں تکلیفیں دیتے تھے اور انھیں اذیتوں کے شکنجے میں کستے تھے کہ وہ اپنے دفاع کے لیے ان سے جنگ کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

اسلام جنگ کے لیے پہل کرنے کو اور جنگجوئی کو جائز نہیں سمجھتا کیونکہ اس کے نزدیک جو شخص جنگجوئی کا رویہ اختیار کرتا ہے اور جنگ برپا کرنے کے لیے کشت وخون اور جارحیت کی راہ اختیار کرتا ہے۔ وہ ظالم ہے۔

اور ظالم بالآخر خاک میں مل جاتا ہے اور مغلوب ہو جاتا ہے۔

اسلام ہرگز جنگجوئی کی ہدایت نہیں کرتا اور وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے پیرو ظالموں میں شمار ہوں۔

لیکن اسلام اپنے پیروؤں کو جس قدر جنگجوئی سے روکتا ہے اسی قدر ہر مسلمان پر یہ بات لازم گردانتا ہے کہ جنگ چھیڑنے اور جنگ کرنے والوں کے خلاف اپنے دفاع کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔

کیونکہ جنگجو لوگوں کے خلاف اپنے دفاع کے لیے آگے نہ بڑھنا ذلّت اور بے بسی کی علامت ہے۔ اور اسلام ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے پیرو ذلیل وخوار اور بے بس بن کر رہیں اور دوسروں کو کشت وخون اور جارحیت کی کھُلی چھوٹ دے دیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ مسلمانوں کو جنگجوئی کی راہ نہیں اختیار کرنی چاہیئے۔

البتہ اگر ان پر دوسروں کی جانب سے جنگ مسلّط کی جائے تو انھیں ہر قیمت پر اپنا دفاع کرنا چاہیئے اور حتیٰ کہ انھیں اپنے پنجوں اور دانتوں سے لڑنا پڑے تو بھی انھیں لڑنا چاہیئے ——————

اور ——————

صلح وسازش کے منحوس راگوں کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیئے۔

۳۳

کبھی ایک ہی بار کھا لینے کی ہوس

"کَمْ مِنْ اَکْلَةٍ مَنَعَتْ اَکْلَاتٍ"

ح/۱۷۱

ترجمہ:

"ایک بار ہی کسی چیز کو کھا لینے کی
تمھاری خواہش تمھیں کھانے پینے کے کئی
مواقع سے محروم کر دیتی ہے۔"

شرح:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دسترخوان پر کوئی ایسی غذا آجاتی ہے کہ اس کی جانب رغبت نہیں ہوتی یا وہ طبیعت کے لیے موزوں نہیں ہوتی اور اس کا نہ کھانا ہی بہتر ہوتا ہے۔

لیکن کسی شخص پر کھانے کی ہوس اس قدر غالب ہوتی ہے کہ وہ اس پر قابو نہیں پا سکتا اور ناموزوں غذا بھی خوب کھا لیتا ہے اور کچھ دیر بعد ہی بیمار ہو جاتا ہے۔

اور کبھی کسی کا مزاج تو بالکل ٹھیک ہوتا ہے لیکن وہ لذیذ غذاؤں کے کھانے میں اس قدر بسیار خوری سے کام لیتا ہے کہ بیمار ہو جاتا ہے۔

اس طرح کے لوگ اپنے پیٹ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس لیے وہ بیمار ہو جاتے ہیں اور مدتوں تک اپنی بیماری کے سبب بہت سی لذیذ غذاؤں، شیریں میووں اور مزے مزے کے کھانوں سے محروم رہتے ہیں اور ڈاکٹر کی ہدایت کے تحت کئی دنوں تک وہ سادہ غذا کے سوا کوئی اور چیز نہیں کھا سکتے۔

اگر یہ دونوں طرح کے افراد کھانے میں احتیاط و پرہیز کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور بسیار خوری کی راہ اختیار نہ کریں تو وہ بعد میں ہر طرح کی غذاؤں سے استفادہ کر سکیں گے اور انھیں کئی دنوں تک پرہیز کی تکلیف برداشت نہیں کرنی پڑے گی۔

امام علیہ السلام کی اس حکیمانہ بات سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ کسی بھی کام کے انجام دینے سے پہلے ہم اس کے انجام پر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ ہماری بھلائی کس بات میں ہے۔

یعنی اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ کوئی کام انجام دینے سے ہمیں ایک ہی بار فائدہ ہو جائے گا اور بعد میں ہم کئی فائدوں سے محروم ہو جائیں گے تو بہتر ہو گا کہ ہم ایسے کام کے کرنے سے احتراز کریں۔

۳۴

صبر اور کامیابی

"لَایَعْدَمُ الصَّبُوْرُ الظَّفَرَ وَاِنْ طَالَ بِهِ الزَّمَانُ۔"

ح/۱۵۳

ترجمہ:

"ایک بردبار اور صابر شخص کو بالآخر کامیابی حاصل ہو کر رہے گی خواہ کتنی ہی دیر اور تاخیر کیوں نہ ہو۔"

شرح:

کامیابی حاصل کرنے کے لیے انسان کے اندر صبر وضبط کا ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ جو شخص زندگی کی مشکلات کے مقابل صابر اور بردبار ہوتا ہے وہ حوصلے اور صبر کے ساتھ اپنے فرصت کے اوقات میں ان مختلف راستوں اور تجربات پر غور کرتا ہے جو اسے کامیابی کی طرف لے جاسکتے ہیں۔

آخر کار وہ ان میں سے ایک ایسی راہ کو منتخب کرنے پر قادر ہو جاتا ہے

جو اسے کامیابی کی منزل کی طرف لے جاتی ہے۔

لیکن جلد باز لوگ جو ہر کام کے انجام دینے میں جلدی کرتے ہیں اور صبر و سکون کے ساتھ کام نہیں کرتے۔ مشکلات کے پیش آتے ہی ان کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں اور وہ کبھی معقول اور صحیح راہ تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔

ایک فارسی ضرب المثل ہے:

"صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد"

صبر کڑوا ہے لیکن اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

ایک دوسری کہاوت ہے:

"اگر صبر کنی ز غورہ حلوا سازی"

اگر تو صبر کرے تو کچے انگوروں سے بھی مربّہ بنا سکتا ہے۔

یہ دونوں کہاوتیں جن کے معنیٰ ایک ہی ہیں صبر و بردباری کی اہمیت کو بخوبی واضح کرتی ہیں۔

جب انگور کی بیل میں پھل لگنا شروع ہوتا ہے تو فارسی میں اس کے پھل کو غورہ کہا جاتا ہے۔ اس کا مزا بہت ہی کھٹا ہوتا ہے اور وہ کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔

اگر چند ماہ صبر کیا جائے تو یہ کھٹے پھل میٹھے اور رس دار انگوروں میں تبدیل ہو جائیں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص صبر نہ کرے اور پھل توڑنے اور کھانے میں جلدی کرے تو اسے اپنی عجلت سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

اور اسے کھٹے انگوروں کے سوا _____ اور کچھ حاصل نہ ہوگا _____

اور _____

صبر و ضبط ــــــــ

ممکن ہے تلخ اور دشوار ہو ــــــــ اور برسوں انتظار کی زحمت اٹھانی پڑے ــــــــ

لیکن اس کا انجام بالآخر کامیابی ہے ــــــــ

قرآن کریم میں بھی صبر کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔

۳۵

اعتدال کی راہ پر چلنے والا کبھی تنگدست نہیں ہوتا

"مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ"

ح/۱۴۰

ترجمہ:

"جو شخص خرچ کرنے میں اعتدال سے کام
لیتا ہے تنگ دست نہیں ہوتا۔"

شرح:

آرام و راحت کی زندگی بسر کرنے کا بہترین طریقہ خرچ میں راہِ اعتدال اختیار کرنا ہے اور یہ وہ راستہ ہے جس کی طرف اسلام اور قرآن ہماری رہنمائی کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انھیں زندگی میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرنا چاہیے۔

یعنی وہ نہ اس قدر کنجوس ہوں اور نہ اتنا کم خرچ کریں کہ اپنا اور اپنے خاندان کا آرام و سکون ہی ختم کر دیں۔

اور نہ اس قدر خرّاچ ہوں کہ اپنے مال کو ضائع کریں اور فقر و فاقہ سے

دوچار ہو جائیں۔

امام علیہ السلام کی حکیمانہ بات ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ انسان کی آمدنی خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اگر وہ خرچ کرنے میں احتیاط سے کام نہ لے تو اس کی ساری آمدنی ختم ہو جائے گی اور وہ خود تنگدست اور محتاج ہو کر رہ جائے گا لیکن جو شخص کچھ معاشی سوجھ بوجھ رکھتا ہے اور اپنا مال ایک اندازے کے ساتھ خرچ کرتا ہے

وہ کبھی تنگدست اور محتاج نہیں ہوتا۔

٣٦

تُندمزاجی دراصل دیوانگی ہے

اَلْحِدَّةُ ضَرْبٌ مِنَ الْجُنُونِ لِاَنَّ صَاحِبَهَا يَنْدَمُ فَاِنْ لَمْ يَنْدَمْ فَجُنُونُهٗ مُسْتَحْكَمٌ۔"

ح/٢٥٥

ترجمہ:

"تندمزاجی ایک طرح کا دیوانہ پن ہے کیونکہ تندمزاج شخص کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے اگر وہ پشیمان نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیوانگی اپنی جگہ قائم اور مستقل ہے۔"

شرح:

تندمزاج شخص بہت جلد غصّے میں آجاتا ہے، غصّے کی حالت میں اُسے

اپنے اعصاب پر قابو نہیں رہتا اور اس کے اقدامات کی لگام اس کے ہاتھ میں نہیں رہتی، چنانچہ غصّے اور تند مزاجی کے عالم میں وہ ایسے ایسے کام کر گزرتا ہے جسے کسی کی سالم عقل تسلیم نہیں کر سکتی۔

وہ طیش کی حالت میں فحش گوئی اور گالیوں پر اُتر آتا ہے ——

توڑ پھوڑ اور چیزوں کو برباد کرنا شروع کر دیتا ہے ——

مارنے پیٹنے اور جھگڑنے لگتا ہے ——

خود بھی زخمی ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی زخمی کر دیتا ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص کی تند مزاجی اور اس کا غیظ و غضب خاندانوں اور دوستوں کے درمیان جنگ و جدل کا سبب بن جاتا ہے اور بالآخر ان کے درمیان ایسے ناگوار واقعات اور حادثات رونما ہوتے ہیں جو ناقابل تلافی نقصانات کا سبب بنتے ہیں۔

جب کوئی تند مزاج شخص غصے سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس طرح کی مشکلات اور مصیبتیں پیدا کرتا ہے تو اس کی حالت ایک طرح کی دیوانگی کی حالت ہوتی ہے ——

کیونکہ دیوانوں کی طرح اسے بھی اپنے اعصاب پر قابو حاصل نہیں ہوتا اور اسے یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کس طرح کی حرکات کا مرتکب ہو رہا ہے ——!

البتہ تند مزاج شخص ——

غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد اپنے کیے ہوئے کاموں پر پشیمان ہوتا ہے۔ یہی پشیمانی اس بات کا ثبوت ہے کہ ——

وہ اپنے آپے میں آگیا ہے اور عالمِ دیوانگی میں کیے ہوئے

بُرے کاموں سے آگاہ ہوگیا ہے ۔

یعنی اسے خود احساس ہوجاتا ہے کہ غصے کی حالت میں ایک قسم کی عارضی دیوانگی نے اس پر قابو پالیا تھا اور پھر چھوڑ دیا ہے ۔

لیکن اگر کوئی اپنے غصے کے ٹھنڈا ہونے کے بعد بھی اپنے کیے پر نادم نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ———— —

اس کا دیوانہ پن عارضی نہیں ہے ——— بلکہ درحقیقت وہ مستقل دیوانہ پن کا شکار ہے ۔

۳۷

ایمان، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی حکمتیں

فَرَضَ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ تَطْهِيْرًا مِنَ الشِّرْكِ
وَالصَّلَاةَ تَنْزِيْهًا عَنِ الْكِبْرِ، وَالزَّكَاةَ
تَسْبِيْبًا لِلرِّزْقِ وَالصِّيَامَ ابْتِلَاءً
لِاِخْلَاصِ الْخَلْقِ، وَالْحَجَّ تَقْرِبَةً
لِلدِّيْنِ وَالْجِهَادَ عِزًّا لِلْاِسْلَامِ وَالْاَمْرَ
بِالْمَعْرُوْفِ مَصْلَحَةً لِلْعَوَامِ وَالنَّهْيَ
عَنِ الْمُنْكَرِ رَدْعًا لِلسُّفَهَاءِ۔"

ح/۲۵۲

ترجمہ:
"اللہ تعالیٰ نے ایمان کو دلوں کے کفروشرک
کی آلودگی سے پاک کرنے کے لیے اور

نماز کو سرکشی و نافرمانی سے دُور رکھنے
کے لیے واجب کیا اور زکوٰۃ کو
ضرورت مندوں کی روزی کا ذریعہ بنایا
اور روزے کو اخلاص کی آزمائش کا
وسیلہ قرار دیا، حج کو دین کے طاقتور
بنانے کے لیے اور جہاد کو اسلام کی
شوکت اور سربلندی کے لیے واجب کیا
اور امر بالمعروف کو بےشعور عوام کی اصلاح
کی خاطر اور نہی عن المنکر کو ناسمجھ افراد
کو برے کاموں اور گناہوں سے روکنے
کے لیے ضروری قرار دیا۔"

شرح:

اسلام کے دینی احکام اپنی تمام جزئیات کے ساتھ ایسے اصول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں اس لیے ان احکام کا بجالانا مسلمانوں کا حتمی اور قطعی فریضہ ہے۔

ایک مومن مسلمان وہ شخص ہے ——————

جو اللہ تعالیٰ کے واجب الاجرار احکام کو بغیر چون وچرا کے بجا لاتا ہے اور ان کے بارے میں کسی شک وتردّد میں مبتلا نہیں ہوتا۔ ان کے بارے میں کسی طرح کے سوال جواب نہیں کرتا اور کسی طرح کے دلائل وشواہد کا مطالبہ نہیں کرتا۔

اس کے باوجود ہمارے ائمہ کرام اور بڑے پیشواؤں نے ان احکامِ دینی کے منطقی اسباب اور ان کے انفرادی اور اجتماعی فلسفہ کی تشریح کی ہے اور ہر حکم کے

۳۸

دوستی اور دشمنی میں اعتدال

اَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَا، عَسٰى اَنْ
يَّكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا مَا وَاَبْغِضْ
بَغِيْضَكَ هَوْنًا مَا، عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ
حَبِيْبَكَ يَوْمًا مَا۔

ح/۲۶۸

ترجمہ:

"دوست کے ساتھ دوستی میں ایک حد کا
خیال رکھو اس لیے کہ وہ کسی روز
تمھارا دشمن بھی بن سکتا ہے، دشمن
کے ساتھ دشمنی میں بھی ایک حد کا خیال
رکھو اس لیے کہ کسی دن وہ تمھارا
دوست بھی بن سکتا ہے۔"

شرح :

دوستی اور دشمنی میں بھی دوسرے مسائل کی طرح میانہ روی اور اعتدال سے کام لینا چاہیئے کیونکہ دشمنی اور دوستی میں افراط ممکن ہے کہ ایسے نقصانات کا باعث بنے کہ جن کی بعد میں تلافی ممکن نہ ہو۔

جب ہم کسی شخص کے دوست بنیں تو اس کے ساتھ گھلنے ملنے میں اس انتہائی حد تک نہیں جانا چاہیئے کہ وہ ہماری تمام گھریلو باتوں سے واقف ہو جائے اور ہمارے تمام بھیدوں سے واقفیت حاصل کرلے۔

کیونکہ ممکن ہے کسی دن اس کے اور ہمارے درمیان کوئی شدید اختلاف پیدا ہو جائے اور وہ ہمارا دشمن بن جائے۔

اس صورت میں چونکہ وہ ہمارے تمام بھیدوں سے واقف ہوگا اور ہماری گھریلو باتوں تک سے آگاہ ہوگا تو عین ممکن ہے کہ وہ ہمارے بارے میں اپنی معلومات ہمارے خلاف استعمال کرے اور ہمیں ایسی تکالیف اور نقصانات پہنچائے جو ناقابل تلافی ہوں۔

دشمنی میں بھی میانہ روی اور اعتدال سے کام لینا چاہیئے۔ یعنی ہمیں دشمن کو اس قدر تکلیف و اذیت نہیں پہنچانی چاہیئے اور اس کے بارے میں اسقدر تلخ و ترش باتیں نہیں کہنی چاہئیں کہ اگر کبھی باہم دوست بن جائیں تو ہم اس کے خلاف کیے جانے والے اپنے اقدامات اور اپنی باتوں کی بنا پر شرمندگی سے دوچار ہوں۔

۳۹

اپنے سے کمتر لوگوں پر نگاہ ڈالو

"وَاَكْثِرْ اَنْ تَنْظُرَ اِلٰى مَنْ فُضِّلْتَ عَلَيْهِ
فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ اَبْوَابِ الشُّكْرِ۔"

خطوط/۶۹

ترجمہ:

"زیادہ تر اپنے سے نچلے طبقے کے افراد کو دیکھا
کرو، کیونکہ اس طرح کا دیکھنا تم پر شکرگزاری
کے دروازے کھولے گا۔"

شرح:

انسان کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے لیے ہمیشہ شکرگزار رہنا چاہیے۔
اور یہ ظاہر کرنا چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کی قدر جانتا ہے۔
کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جانتا ہے اور ان نعمتوں کے لیے
اس کا شکرگزار رہتا ہے اسے اللہ کی مزید نعمتوں کے حاصل کرنے کا استحقاق
حاصل ہو جاتا ہے۔

لیکن جو شخص میسّر نعمتوں کی قدر نہیں جانتا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے اس پر ناخوش رہتا ہے، وہ دراصل خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو تلف کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کا مستحق نہیں ہے۔

اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسے مزید نعمتیں نہیں دی جاتیں بلکہ جو کچھ نعمتیں اسے دی گئی ہیں وہ اس سے واپس لے لی جاتی ہیں۔

ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جاننے اور پہچاننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے سے نچلے طبقے کے افراد کو دیکھیں۔ یعنی ان لوگوں پر نظر ڈالیں جنھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہم سے کم ملی ہیں۔

اس صورت میں ہم نہ صرف یہ کہ جو کچھ ہمیں میسّر ہے اس پر ناخوش نہیں ہوں گے بلکہ ہمارے دل میں راضی رہنے اور خوش رہنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور ہم اللہ تعالےٰ کے زیادہ سے زیادہ شکرگزار بنیں گے۔

اس طرح کے افراد پر ہم جس قدر زیادہ نظر ڈالیں گے اسی قدر زیادہ ہم پر شکرگزاری کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔

اپنے سے کمتر لوگوں پر نظر ڈالنے سے ہم خدا کی عطا کردہ نعمتوں کی زیادہ سے زیادہ قدر پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر بجا لائیں گے۔

ایران کے عظیم شاعر سعدی کہتے ہیں:

"اپنی جوانی کے دنوں میں ایک روز میرے پاس پہننے کے لیے جوتے بھی نہیں تھے۔ اپنی اس حالت کو دیکھ کر میں اپنی زندگی سے سخت ناخوش تھا اور بہت زیادہ گلہ شکوہ کر رہا تھا۔ لیکن جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دیوار کے سائے میں بیٹھا ہے اور وہ پیروں سے محروم ہے

اُسے دیکھتے ہی میں ہوش میں آگیا اور بارگاہِ خداوندی میں
میں نے شکر ادا کیا کہ مجھے جوتے تو میسر نہیں ہیں لیکن
اللہ تعالیٰ نے مجھے دو پیر بالکل صحیح وسالم دے رکھے ہیں
ان کی مدد سے جوتوں کے بغیر بھی اپنا راستہ طے کرسکتا ہوں۔"

ہمیں بھی اپنے بغیر جوتوں کے پیروں کو دیکھنے کی بجائے اُن لوگوں کو دیکھنا چاہیئے جو پیر ہی نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیئے۔

البتہ جو کچھ وضاحت کی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان ہمیشہ اپنی زندگی کو ایک ہی حالت میں رکھ کر راضی بہ رضا رہے۔ اور کسی وقت بھی اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرے۔

ایک زمانے میں طاغوت، لوگوں کو خاموش کرانے کے لیے سعدی کی اس نصیحت سے فائدہ اٹھاتا تھا ——— لیکن آج ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ ———

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور بس۔

۴۰

بُرے کاموں کا معیار

وَاحْذَرْ كُلَّ عَمَلٍ يُعْمَلُ بِهٖ فِي السِّرِّ وَيُسْتَحْيٰ مِنْهُ فِي الْعَلَانِيَةِ وَاحْذَرْ كُلَّ عَمَلٍ اِذَا سُئِلَ عَنْهُ صَاحِبُهٗ اَنْكَرَهٗ اَوِاعْتَذَرَ مِنْهُ "

خطوط/۶۹

ترجمہ:

"ایسا کام جو تنہائی میں انجام دیا جائے اور جسے علانیہ کرنے میں شرم محسوس ہو اس سے پرہیز کرو اور ایسے کام سے بھی پرہیز کرو جس کے بارے میں اگر لوگ کسی سے بازپرس کریں تو اس کام کا کرنے والا انکار

کر دے یا پھر معافی طلب کرے۔"

شرح:

بہت سے اشخاص ہیں جو کوئی ایسا بُرا کام نہیں کرنا چاہتے جس کے کرنے پر لوگ ان کی سرزنش کریں اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہو جائے۔

لیکن وہ بعض اوقات اچھے اور بُرے کام کے درمیان فرق کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور غیر شعوری طور پر نادانستہ ناپسندیدہ کاموں کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

اسی بنا پر اور اس مقصد سے کہ ——————

اچھے اور بُرے کاموں کے درمیان بآسانی فرق کیا جا سکے اور انسان یہ معلوم کر سکے کہ دونوں کاموں کے درمیان کیا امتیاز ہے اور بُرے کام کے انجام دینے سے محفوظ رہے۔

امام علیہ السلام نے دو قاعدوں کی سادہ و آسان علامتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی یہ کہ بُرا کام وہ ہے ——————

جو پوشیدہ طور پر اور لوگوں کی نگاہوں سے دور انجام دیا جاتا ہے۔

کیونکہ اسے علانیہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے انجام دینا ——

—————— شرمندگی کا باعث ہوتا ہے ——

بُرے کام کی دوسری نشانی یہ ہے کہ ——————

جب اس کے انجام دینے والے سے باز پرس کی جاتی ہے کہ اس نے یہ کام کیوں انجام دیا؟

تو یا تو وہ انکار کر دیتا ہے کہ میں نے یہ کام انجام ہی نہیں دیا۔

یا پھر ـــــــــ

وہ معافی کا طلب گار ہوتا ہے اور کہتا ہے :

مجھے معاف کر دیں ـــــ نادانی کی بنا پر مجھ سے یہ فعلِ بد سرزد ہو گیا۔

پس ہم جب بھی یہ دیکھیں کہ ہمارے کسی بھی کام میں ان دو علامتوں میں سے ایک علامت پائی جاتی ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ـــــ

یہ کام ایک بُرا کام ہے ـــــــ

اور اس سے ہمیں احتراز کرنا چاہیئے۔

۴۱

بُردباری کی مشق

"اِنْ لَمْ تَكُنْ حَلِيْمًا فَتَحَلَّمْ
فَاِنَّهُ قَلَّ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ اِلَّا
اَوْشَكَ اَنْ يَكُوْنَ مِنْهُمْ۔"

ح/۲۰۷

ترجمہ:

"اگر تم بردبار نہیں ہو تو خود کو بردبار
ظاہر کرو کیونکہ جو شخص کسی گروہ کے
ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے بہت جلد
ان ہی میں سے ہوجاتا ہے۔"

شرح:

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں کچھ اچھی انسانی صفات فطری طور پر موجود نہیں ہوتیں۔ مثلاً ان کی طبیعت میں شروع ہی سے حلم و بردباری کی

صفت موجود نہیں ہوتی ——————

اور وہ ذرا سی بھی ناگوار بات پیش آنے پر ناراض و مضطرب ہو جاتے ہیں اور ایسے اقدامات کر بیٹھتے ہیں جو بڑی مشکلات اور پریشانیاں پیدا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے لیے بہترین راہ یہ ہے کہ وہ اپنی قوتِ ارادی اور مشق سے کام لے کر بردباری کی عادت کو پختہ کریں تاکہ رفتہ رفتہ یہ اچھی صفت ان کی فطرت کا جز بن جائے۔

امام علیہ السلام نے بردباری کی صفت کو مشق کی حیثیت سے تجویز فرمایا ہے اور اس بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"اگر حلم اور بردباری کی صفت تمھارے اندر
نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
تم کبھی حلیم و بردبار نہیں بن سکتے تمھارے
لیے بس اتنا کافی ہوگا کہ کچھ مدّت تک
خود کو بردبار ظاہر کرنے کی کوشش کرو۔"

یعنی ایسے مواقع پر جو تمھارے اندر اضطراب پیدا کرتے ہیں اس شخص کا رویہ اختیار کرو جو طبیعی طور پر بُردبار ہوتا ہے اور اس طرح کے مواقع پر بردباری کے ساتھ اپنے سکون کو برقرار رکھتا ہے۔

جب تم کچھ عرصے تک اس مشق کو جاری رکھو گے ——————
اور بردبار اشخاص کی طرح کا رویہ اپناؤ گے تو رفتہ رفتہ تمھاری
عادت پختہ ہو جائے گی ——————
پھر جب کبھی ایسے مواقع پیش آئیں گے تم سے بھی اسی طرح کا بردبارانہ

رویہ ظاہر ہوگا۔

اس طرح وہ صفات جو پہلے سے تمہاری فطرت میں موجود نہیں ہیں مشق کے بعد ایک عادت کی صورت میں پیدا ہو جائیں گی۔ اور اس طرح جگہ بنا لیں گی کہ کوئی شخص یہ نہیں پہچان سکے گا کہ ———————

یہ اچھی صفت ————

تمہاری فطرت میں شروع ہی سے موجود رہی ہے ——

یا ————

خود تم نے مشق اور عادت کے ذریعہ اسے اپنے اندر پیدا کر لیا ہے۔

۴۲

عقلمند کی زبان اور احمق کی زبان

"لِسَانُ الْعَاقِلِ وَرَاءَ قَلْبِهٖ وَقَلْبُ الْاَحْمَقِ وَرَاءَ لِسَانِهٖ"

ح/۴۰

ترجمہ:

"عقلمند کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے اور احمق کا دل اس کی زبان کے پیچھے ہوتا ہے (عقلمند آدمی پہلے فکر کرتا ہے اور پھر زبان کھولتا ہے جبکہ احمق بے سوچے سمجھے بات کرتا ہے)

شرح:

عقلمند آدمی جب کوئی بات زبان پر لانا چاہتا ہے تو وہ پہلے اپنے دل و دماغ سے رجوع کرتا ہے۔ اس بات کے معنی و مطلب اور اچھائی اور برائی کو عقل و شعور کی کسوٹی پر پرکھتا ہے اور جو نتیجہ سامنے آتا ہے اس پر غور کرتا ہے۔ جب اسے اپنی بات

کے درست اور اچھے ہونے کا اطمینان ہو جاتا ہے تب اُسے زبان پر لاتا ہے۔

اس طرح عقلمند آدمی زبان سے پہلے اپنے دل و دماغ سے کام لیتا ہے اور زبان کو عقل وشعور کے پیچھے قابو میں رکھتا ہے۔

لیکن احمق اس کے برعکس عمل کرتا ہے ——

یعنی ہر وہ بات جو اس کی زبان پر آتی ہے اسے عقل و دانش کے ترازو میں تولے بغیر بیان کر دیتا ہے۔

جب اس کی بات کا سننے والوں پر بُرا اثر مرتب ہو جاتا ہے تب وہ یہ سوچتا ہے کہ آیا اس کی بات درست تھی یا نہیں ؟

یعنی احمق پہلے اپنی زبان سے کام لیتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے بات کرتا ہے اور پھر بعد میں دل و دماغ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنی بات کی اچھائی اور بُرائی معلوم کرکے اس پر غور کرتا ہے۔

اسی بنا پر قدیم زمانے سے دانش مند یہ کہتے آئے ہیں کہ

پہلے تولو —— اور —— پھر بولو

جس بات پر تم نے اچھی طرح غور نہیں کیا ہے اسے زبان پر مت لاؤ ——!

۴۳

اس طرح کا مال کبھی ہاتھ سے نہیں جاتا

"لَمْ يَذْهَبْ مِنْ مَالِكَ مَا وَعَظَكَ"

ح/۱۹۶

ترجمہ:

"جو مال تمھارے ہاتھ سے نکل گیا اور تمھیں کوئی سبق سکھا گیا اسے ہاتھ سے نکلا ہوا نہ سمجھو۔"

شرح:

جب انسان کے ہاتھ سے اس کے مال کا کچھ حصّہ نکل جاتا ہے تو وہ افسردہ اور غمگین ہو جاتا ہے اور ضائع شدہ مال کے غم میں کڑھتا رہتا ہے۔ کیونکہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ جو مال فضول اور بے فائدہ ہاتھ سے چلا جاتا ہے اس کی پھر کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ——————

ہاتھ سے نکلا ہوا مال پوری طرح ضائع نہیں جاتا بلکہ ہاتھ سے

نکلتے ہوئے اپنے مالک کے لیے ایک نتیجہ اور فائدہ چھوڑ جاتا ہے جو شاید کبھی مال سے زیادہ ارزش مند ثابت ہو اور یہ نتیجہ اور فائدہ وہ تجربہ ہے جو اس شخص کو مال کے ہاتھ سے نکل جانے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

اکثر لوگ تجربے کو مال سے زیادہ قیمتی اور اہم سمجھتے ہیں کیونکہ مال خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ ہمیشہ باقی نہیں رہتا آخر کار وہ ایک دن ختم ہو جاتا ہے لیکن تجربہ ایک ایسا سرمایہ ہے جو ہرگز ختم نہیں ہوتا اور کسی بھی حالت میں اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم نے اپنی دولت کا کچھ حصہ کسی کام میں لگایا ہے اور اس کام میں ہمیں کامیابی حاصل نہ ہوئی ہو تو ہمارا یہ مال پھر بھی ضائع نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کے بدلے ہمیں ایک تجربہ حاصل ہوا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا مال فضول ضائع ہو گیا۔

ہمیں یہ سوچنا چاہیئے کہ اس مال کے بدلے ہمیں ایک ایسا قیمتی سرمایہ حاصل ہوا ہے جو زندگی بھر ختم نہیں ہوگا اور ہمارے اس مال سے زیادہ ہمارے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا۔

البتہ جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو کوئی بھی کام بغیر سوچے سمجھے نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ مال کا ہاتھ سے نکل جانا نقصان کا موجب اور سمجھ بوجھ سے کام نہ لینے کی علامت ہے۔

۴۴

عمل اور نسب

مَنْ اَبْطَأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ۔"

ح/۲۳

ترجمہ:

"جو شخص اپنے کردار کی بنا پر پیچھے رہ گیا ہے وہ محض اپنے نسب و نسل کی بنیاد پر ترقی نہیں کر سکتا۔"

شرح:

انسان کو نیک کردار ہونا چاہیئے اور صرف اپنے کردار کی بنیاد پر اسے دنیا کی آسائش اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ الٰہی قانون میں کسی کے کردار و عمل کو دوسرے کے حساب میں درج نہیں کیا جاتا اور کسی شخص کے عمل کا بدلہ اس کے عزیزوں اور اقربا کو نہیں دیا جاتا۔

ہم تاریخ اسلام میں اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام

کے فرزند بھی باوجودیکہ ان کے باپ خدا کے ولی اور مسلمانوں کے پیشوا رہے ہیں اپنے اعمال کی سزا پانے سے محفوظ نہیں رہے۔

مثلاً حضرت امام حسن عسکری ؑ کی رحلت کے بعد آپ کا بڑا بیٹا حضرت امام زمان (عج) کے حق امامت کو پامال کر کے خود مسلمانوں کی رہنمائی کے منصب پر فائز ہونا چاہتا تھا ——————

لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے رسوا کر دیا ——————

باوجودیکہ اس کے باپ اور اجداد سب ائمہ کرام اور پیشوایانِ عظام تھے وہ خود گمراہ ہوگیا اور نسل و نسب کی شرافت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا اور ترقی کی راہ پر کوئی قدم نہیں بڑھا سکا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اچھے کردار کا مالک نہیں تھا اور اسی بنا پر وہ دین و دنیا دونوں میں پیچھے رہ گیا۔

انسان اپنے شریف اور بزرگ ماں باپ اور اجداد کے نام پر، جنھیں تقویٰ یا علم یا ہُنر کی بنا پر عزت و احترام کا مرتبہ حاصل رہا ہے تکیہ نہیں کر سکتا اور ان پر انحصار کر کے اپنے کردار سے بے توجہی نہیں برت سکتا۔

یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی بجا نہ لائے، زندگی میں پیش قدمی اور آخرت کی نجات کے لیے کوئی کام انجام نہ دے البتہ اپنے نسل و نسب کی بنیاد پر یہ توقع رکھے کہ اس دنیا میں عزت و احترام کے کسی مقام و مرتبہ پر پہنچ جائے گا اور اُس دنیا میں بھی نیک بدلہ پائے گا۔

۴۵

اعمال کا فرق

شَتَّانَ مَا بَيْنَ عَمَلَيْنِ عَمَلٍ تَذْهَبُ
لَذَّتُهُ وَتَبْقَى تَبِعَتُهُ وَعَمَلٍ تَذْهَبُ
مَؤُونَتُهُ وَيَبْقَى أَجْرُهُ "

ح/۱۲۱

ترجمہ:

" انسانوں کے دو طرح کے عمل و کردار میں کتنا بڑا فرق ہے ایک عمل وہ ہے جس کی لذّت اور خوشی بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کے نقصان دہ نتائج اور اثرات باقی رہتے ہیں اور دوسرا عمل وہ ہے جس کی تکلیف اور زحمت جلد ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کا اجر اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔"

شرح:

اللہ تعالےٰ نے انسان کو آزاد اور خود مختار پیدا کیا اور اسے عقل و شعور عطا کیا تاکہ وہ آزادانہ طور پر اپنی زندگی کی راہ منتخب کرے اور اپنے ارادہ و اختیار سے ہر وہ عمل انجام دے جس کے لیے اس کا دل چاہے۔

لیکن قیامت کے روز اچھا اجر اسے ملے گا جس نے اچھا عمل کیا ہوگا۔ اور جو شخص اعمال بد کا مرتکب ہوگا ——————

وہ اپنے انجام بد کو پہنچے گا۔

امام علیہ السلام نے مسلمانوں کو خبردار فرمایا ہے تاکہ وہ اچھی طرح اس بڑے فرق کو جان لیں جو اچھے اور بُرے عمل کے درمیان ہے اور محض عمل کی ظاہری صورت سے دھوکہ نہ کھائیں۔

یعنی انسان کو یہ بات جان لینی چاہیئے کہ کام اچھا ہو یا بُرا وہ جلد ختم ہو جاتا ہے جبکہ اس کے نتائج اور اثرات ختم نہیں ہوتے اور انسان کے نامۂ اعمال میں ان کا اندراج باقی رہتا ہے۔

عزیزو!

تم نے اپنے دوستوں، اپنے ہم جماعتوں اور اپنے قریب رہنے والوں میں اس دو طرح کے عمل کے نمونے اکثر دیکھے ہیں۔

مثلاً ایک طالب علم سبق پڑھنے اور محنت کرنے کی بجائے اپنا وقت کھیل کود اور تفریح میں ضائع کرتا ہے۔ اس کے تمام کھیل اور تفریحیں بہت جلد گزرنے والی ہیں اور اس کی تمام خوشیاں جلد ختم ہونے والی ہیں۔

لیکن ان جلد گزرنے والی خوشیوں کا نتیجہ ناکامی ہے۔ اس نے اپنی عمر کے ایک سال کو فضول ضائع کر دیا۔ اب وہ اس کھوئے ہوئے سال کو اپنی ساری

زندگی میں دوبارہ حاصل نہیں کر سکے گا۔

جو طالب علم درس پڑھنے کی زحمت اٹھاتا ہے۔ اس کی تکلیف بھی جلد ختم ہو جاتی ہے جبکہ اس زحمت کا بدلہ یعنی علم و دانش کا سیکھنا اور کامیاب ہو کر اعلیٰ جماعت میں جانا اور ترقی کرنا ایسے اچھے اور لذت بخشنے والے نتائج ہیں جو ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی میں باقی رہیں گے۔

اس سادہ مثال سے ہم یہ نتیجہ حاصل کرتے ہیں کہ گناہ کے اعمال اگرچہ ان میں لذت ہوتی ہے لیکن ان کی یہ لذت جلد ختم ہونے والی ہے جبکہ ان کا نتیجہ یعنی ان کی سزا اللہ تعالیٰ کے پاس باقی رہنے والی ہے اور وہ قیامت کے روز گناہ گار شخص کا گریبان پکڑے گا۔

مثلاً کوئی شخص خدا کے حکم کے خلاف روزہ نہیں رکھتا اور عین ماہِ رمضان میں خوب کھاتا پیتا ہے ——————

اس کی کھانے پینے کی یہ لذت بہت جلد ختم ہو جائے گی۔

یعنی یہ ایک ایسی لذت ہے جو دسترخوان کے اٹھتے ہی ختم ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی اثر زبان پر باقی نہیں رہتا لیکن اس نافرمانی کا نتیجہ قیامت تک باقی رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ قیامت کے دن روزہ خور کو اس کی نافرمانی کی سزا سے دوچار کرے گا۔

اس کے برعکس جو شخص روزہ رکھتا ہے ——————

وہ صرف چند گھنٹوں کے لیے بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرتا ہے لیکن اس جلد ختم ہونے والی تکلیف کے بدلے جو غروب آفتاب کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی ایک عظیم اجر کا مستحق قرار پاتا ہے جو قیامت تک خدا کے پاس باقی رہے گا۔

اور اس روزا سے اس کی زحمت کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا۔

اگر آپ خوب غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ تمام کاموں کی صورت

یہی ہے کہ ——————

تمام لذتیں جلد ختم ہونے والی ہیں اور تمام زحمتیں بھی ——————

—————— لیکن جو کچھ ہمیشہ باقی رہے گا —————— وہ عمل کا نتیجہ اور انسان کا کردار ہے ——————؟

اگر انسان نے جلد ختم ہونے والی لذتوں کی خاطر گناہ کیا ہے تو اس گناہ کا اسے بدلہ مل کر رہے گا ——————؟

اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں زحمتیں اٹھائی ہیں جو جلد ختم ہونے والی ہیں تو اسے ان کا پورا پورا اجر ملے گا۔

۴۶

آخرت دنیا کا نتیجہ ہے

"اَعْمَالُ الْعِبَادِ فِیْ عَاجِلِهِمْ نُصْبُ اَعْیُنِهِمْ فِیْ آجِلِهِمْ۔"

ح/۷

ترجمہ:

"اس دنیا میں بندگانِ خدا جو کام انجام دیتے ہیں قیامت کے دن وہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوں گے۔"

شرح:

ریڈیو اور ٹیلی ویژن جو اس دورِ جدید کی ایجادات ہیں اور جنھیں انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ چند سال پہلے ریکارڈ کیے ہوئے یا فلمائے ہوئے کاموں، آوازوں اور باتوں کو برسوں بعد دوبارہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں یا سُنا دیتے ہیں۔

اگر کسی شخص کے اعمال اور حرکات کی فلم تیار کی گئی ہو تو اسے برسوں

تک بلکہ اس دنیا کے موجود رہنے تک محفوظ رکھا جاسکتا ہے، اگر وہ فلم پرانی ہو جائے اور خراب ہونے لگے تو اس کی مدد سے ایک دوسری نئی فلم تیار کی جاسکتی ہے، اس طرح اس فلم کو اپنی تصویروں اور آوازوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے باقی رکھا جاسکتا ہے۔

انسان جو اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے اس کی دی ہوئی عقل سے کام لے کر، اعمال و اقوال کو محفوظ رکھنے والے ایسے آلات ایجاد کر سکتا ہے تو کیا خالق کائنات کے لیے اپنے بندوں کے اعمال و اقوال کو ریکارڈ کرنا اور محفوظ رکھنا کوئی دشوار کام ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم کارخانۂ ہستی میں انسان کے اعمال و افعال کو ریکارڈ و محفوظ کرنے کے لیے ایسا عجیب اور حساس نظام قائم کیا ہے کہ وہ انسانی کردار کی معمولی سے معمولی حرکت کو اور اس کے منہ سے نکلنے والی ایک ایک بات اور ایک ایک حرف کو ریکارڈ کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیتا ہے۔

امام علیہ السلام نے ریکارڈنگ کے اس عظیم نظام ہی کی جانب اشارہ فرمایا ہے ——

انسان اس دنیا میں جو بھی کام انجام دیتے ہیں ——

اللہ تعالےٰ انھیں تمام جزئیات کے ساتھ ریکارڈ و محفوظ فرمالیتا ہے۔

پھر قیامت کے دن ——————————

انسان کے نامۂ اعمال میں ——

اس کا جو کارنامۂ زندگی ریکارڈ کیا جاتا رہا تھا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیا جائے گا —— تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے ان اعمال کو دیکھ لے جو وہ دنیا میں کرتا رہا تھا اور یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص

کو اس کے اچھے اور بُرے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی ہے۔

قیامت کے دن ——

سخت ترین عذاب ان لوگوں کے لیے ہو گا ——

جنھوں نے اس دنیا میں بُرے کام انجام دیے ہیں۔ ان کے بُرے کام اس دوسری دنیا میں ان کی آنکھوں کے سامنے مجسم ہو کر آجائیں گے۔

۴۷

کمزوری و بے بسی آفت ہے اور صبر شجاعت

"وَالْعَجْزُ آفَةٌ وَالصَّبْرُ شَجَاعَةٌ
وَالزُّهْدُ ثَرْوَةٌ وَالْوَرَعُ جُنَّةٌ وَنِعْمَ
الْقَرِيْنُ الرِّضَا۔"

ح/۴

ترجمہ:

"کمزوری و بے بسی آفت ہے اور بردباری شجاعت ہے اور پرہیزگاری و پارسائی تونگری ہے اور جو کچھ گزرے اس پر راضی و مطمئن رہنا ایک قیمتی رفاقت حاصل ہونے کے برابر ہے"

شرح:

جو انسان روحانی اور اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہوتا ہے اسے ہمیشہ ایک بڑا خطرہ درپیش ہوتا ہے اور وہ خطرہ یہ ہے کہ شاید وہ پیش آنے والے

مختلف معاملات اور مسائل کا ثابت قدمی کے ساتھ سامنا کرنے کی اپنے اندر ہمت اور قوت نہ پا سکے اور کمزوری و لغزش سے دوچار ہو جائے — اور راہ راست سے ہٹ جائے۔

اسی لیے اسلامی تعلیمات میں ہمیشہ یہ تاکید کی گئی ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنی روحانی اور اخلاقی کمزوریوں کو دُور کرنے کی فکر کرے۔

اور زندگی میں پیش آنے والے مختلف کٹھن مسائل کا ثابت قدمی اور بردباری کے ساتھ سامنا کرنے کے لیے اپنے اندر باطنی اور روحانی طاقت پیدا کرے اور پھر اس طاقت کو بڑھائے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔

امام علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں مثبت اور منفی پہلوؤں کو سامنے لاتے ہوئے کمزوری اور ناتوانی کے عیب کو ——— اور ——— روحانی اور اخلاقی طاقت کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔

امام علیہ السلام کی اس ہدایت کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ۔

کمزوری اور ناتوانی ایک بڑی آفت ہے اور یہ انسانی زندگی کی دشمن ہے، کیونکہ کمزور انسان بہت جلد فریب میں آجاتا ہے۔ اور بہت جلد لغزش سے دوچار ہو جاتا ہے اور جلد ہی راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔

ایک کمزور انسان چند فریب دینے والی باتیں سن کر ہی سیدھے راستے کو ترک کر سکتا ہے یا چند دھمکیوں سے مرعوب ہو کر پریشان ہو سکتا ہے۔

اگر اسے دولت یا عہدے کا لالچ دیا جائے تو، اس کے مقابل ثابت قدمی اختیار کرنا اس کے لیے سخت دشوار ہوگا اور وہ دولت و عہدے کی خاطر ہر غلط کام انجام دینے کے لیے تیار ہو جائے گا۔

ایسے بہت سے افراد کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ جنھوں نے اپنی

ساری عمر عبادت، شرعی اور دینی خدمات انجام دینے میں گزار دی، لیکن اسی کمزوری اور ضعف کی بنا پر وہ اچانک راہِ راست سے ہٹ گئے ——

اور زندگی بھر کے حاصل کو انھوں نے چند لمحوں کے اندر برباد کر دیا اور بدنامی اور رسوائی کے سوا ان کے حصّے میں کچھ نہ آیا ——

اسی لیے کمزوری اور ناتوانی کو زندگی کے لیے سب سے بڑی آفت اور اسے انسان کا سب سے خطرناک دشمن قرار دیا گیا ہے۔

اس عجز و ناتوانی کے مقابل ——

وہ اچھی صفات ہیں جو انسان کو روحانی اور اخلاقی طاقت عطا کرتی ہیں۔ امام علیہ السّلام نے ان ہی اچھی صفات کا اپنے اس کلام میں ذکر کیا ہے۔

ان صفات میں سے ایک صبر و بردباری ہے ——

اس صفت کو انسانی شجاعت کا عظیم ترین مظہر قرار دیا گیا ہے شجاع اس شخص کو نہیں کہا جاتا جو فوراً ہی غضب ناک ہو جاتا ہے اور درپیش مسئلے کو حل کرنے کے لیے عجلت میں بغیر سوچے سمجھے اقدامات عمل میں لے آتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس طرح کے افراد اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی ہزاروں مشکلات پیدا کر دیتے ہیں۔

حقیقت میں شجاعت اس شخص کی صفت ہوتی ہے جو مسائل و مشکلات کے مقابل بردبار ہوتا ہے اور صبر و حوصلے کے ساتھ ان مسائل کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اور مسائل کا تیز ترین حل تلاش کرنے کی بجائے ان کا بہترین حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک اور صفت پارسائی اور پرہیزگاری ہے جو انسان کے لیے ایک بہترین دولت اور بیش بہا ترین سرمایہ ہے۔

ایک پارسا اور پرہیزگار آدمی اپنے اندر اس قدر روحانی اور معنوی خوبیاں جمع کر لیتا ہے کہ پھر دنیوی مال و دولت کی طرف اس کی نگاہیں نہیں جاتیں۔ مالِ دنیا سے اس کی یہی بے نیازی اسے سب سے بڑا دولت مند اور سب سے بڑا مال دار بنا دیتی ہے۔

جو کچھ میسّر آئے یا جو کچھ گزرے اس پر راضی اور خوش رہنا ایک بڑی اچھی اور قیمتی انسانی صفت ہے۔ اصولاً ایک مومن مسلمان، جو کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کی زندگی میں پیش آتا ہے اس پر وہ ناراضگی کا اظہار نہیں کرتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے لیے مقدر کر دیا ہے اس پر وہ راضی اور خوش رہتا ہے۔ ہر حال میں راضی اور خوش رہنے کی اس کی یہ صفت، طرح طرح کے پیش آنے والے حالات میں اسے رنج و اذیت سے دور رکھتی ہے۔

ایسا شخص جب دوسروں کو دیکھتا ہے کہ وہ اقتدار پر یا کسی اعلیٰ مقام پر فائز ہو گئے ہیں اور انھیں بڑی دولت و ثروت مل گئی ہے، جب کہ وہ اس سے محروم ہے تب بھی وہ ان سے حسد نہیں کرتا اور غم و غصّے کو اپنے دل میں راہ پانے نہیں دیتا کیونکہ ——————

ہر حال میں خوش رہنے کی صفت اس کے اندر موجود ہے جو ایک قیمتی نعمت کے طور پر اس کے ساتھ رہتی ہے اور ایک مہربان اور ہمدرد دوست کی طرح ہمیشہ اسے اس طرح کے رنج و عذاب میں مبتلا ہونے سے دور رکھتی ہے۔

۴۸

تہمت کی جگہ سے دُور رہنا

"مَنْ وَضَعَ نَفْسَهُ مَوَاضِعَ التُّهَمَةِ
فَلَا يَلُوْمَنَّ مَنْ اَسَاءَ بِهِ الظَّنَّ"

ح/۱۵۹

ترجمہ:

"اگر کوئی شخص تہمت اور بدنامی کی جگہوں پر جاتا ہے تو پھر اسے اپنے سے بدگمانی کرنے والوں کو ملامت نہیں کرنی چاہیئے۔"

شرح:

اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ ایک مومن و مسلمان کو صرف اس بات سے مطمئن اور خوش نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ بُرا کام نہیں کرتا اور بُری بات منہ سے نہیں نکالتا۔

بلکہ بُری باتوں کے سننے، بُرے کاموں کو دیکھنے سے بھی احتراز کرنا چاہیئے

یعنی اگر کسی جگہ کچھ لوگ جمع ہو کر بُری باتیں اور گناہ کی باتیں کر رہے ہوں تو اسے اس جگہ نہیں رکنا چاہیئے یا کسی جگہ گناہ کا کام ہو رہا ہو تو اسے وہاں نہیں جانا چاہیئے اور نہ ٹھہرنا چاہیئے۔

امام علیہ السلام نے اسی اسلامی اصول کی بنا پر اپنے پیروؤں کی رہنمائی فرمائی ہے۔

امامؑ کی ہدایت کے مطابق مسلمان مومن کو ایسی جگہوں پر نہیں جانا چاہیئے جہاں بُرے اور گناہ کے کام کیے جا رہے ہوں مثلاً اسے کبھی جوئے خانے۔ یا۔ شراب خانے میں نہیں جانا چاہیئے کیونکہ ایسی جگہوں پر جانا تہمت کے مقامات پر جانے کے مترادف ہے اور خود کو بدنامی کے خطرے سے دوچار کرنا ہے۔

یعنی چاہے وہ خود شرابی اور جواری نہ ہو لیکن جب ایسی جگہوں پر دیکھا جائے گا تو لوگ اس سے بدگمان ہو جائیں گے۔

دوسرے لوگ جو اس کے باطن سے واقف نہیں ہیں ممکن ہے وہ اسے بھی جوئے باز اور شرابی سمجھ لیں اور اس پر جوا کھیلنے اور شراب پینے کی تہمت لگا دیں۔

ظاہر ہے اگر ایسی صورت حال ہو تو جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ تہمت لگانے والوں کو ملامت کرے کیونکہ ——— قصور خود اسی کا ہے کہ ———

اس نے ایسے مقامات پر جا کر دوسروں کے دلوں میں اپنے بارے میں بدگمانی پیدا کی۔

۴۹

فرصت کو ضائع نہ کریں

"اِضَاعَةُ الْفُرْصَةِ غُصَّةٌ"

ح/۱۱۸

ترجمہ:

"فرصت کا ضائع کرنا غم واندوہ کا سبب ہے"

شرح:

انسان کی عمر مختصر اور جلد گزرنے والی ہے اور زندگی میں میسّر آنے والی فرصتیں اس سے بھی کم اور تیزی سے ختم ہونے والی ہیں۔

انسان کی عمر کا جو بھی دن گزرتا ہے ——————

اپنے ساتھ اس کے کچھ فرصت کے اوقات کو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے کر چلا جاتا ہے۔

چونکہ زندگی کی فرصتیں دوبارہ واپس نہیں آسکتیں اس لیے ہر فرصت سے بہترین استفادہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

فرصت سے استفادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام کو اس کے مناسب

وقت پر انجام دیں۔

اگر آج ہمیں کسی کام کے انجام دینے کے لیے فرصت میسّر ہے ——

اور اس فرصت کو ہم نے گنوا دیا ——

تو کل اس کام کے انجام دینے کے لیے ہمیں فرصت میسر نہیں آئے گی ——;

کیونکہ کل میسر آنے والی فرصتیں کچھ دوسرے کاموں کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ہر کام اپنے لیے ایک فرصت اور وقت چاہتا ہے۔

ایسا نہیں ہوسکتا کہ آج جس کام کے لیے ہمیں فرصت میسر آئی ہے اس کام کو ہم کل پر اٹھا کر رکھ دیں ——

کیونکہ اس صورت میں وہ کام پیچھے رہ جائیں گے جنھیں ہمیں اس کل کی فرصت میں انجام دینا تھا۔ اگر صورتِ حال یہی رہی تو آئندہ دنوں کی تمام فرصتیں ختم ہو جائیں گی اور ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیں گی۔

اس لیے ہر کام کو اس کے لیے مناسب فرصت میں انجام دینا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے اس کام کو انجام دینے کی ہمیں پھر کبھی فرصت ہی میسّر نہ آئے۔

مثلاً ——

بچپن اور نوجوانی کا زمانہ علم حاصل کرنے اور دانش سیکھنے کی بہترین فرصت فراہم کرتا ہے ——

جو شخص اس مناسب فرصت کو ضائع کردے گا ——

—— وہ بعد کے سالوں میں زندگی کے بہت سے جھمیلوں میں پھنس جائے گا اسے معاش کے لیے مصروف ہونا پڑے گا —— گھر بار اور بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنی ہوگی اور دوسری بے شمار مصروفیتیں اس کا دامن پکڑتی رہیں گی اور

پھر اسے تحصیلِ علم کی کوئی فرصت میسّر نہ آسکے گی۔

اسی لیے ——————

انسان کو جو بھی فرصت میسّر آئے اسے غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اور اس سے بہترین طریقے پر استفادہ کرنا چاہیئے۔

ورنہ ——————

جب وقت و فرصت ہاتھ سے نکل جائے گی تو غم واندوہ کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور یہ ایک ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔

۵۰

وعدہ پورا کرنے کی ذمّہ داری

"اَلْمَسْؤُلُ حُرٌّ حَتّٰی یَعِدَ"

ح/۳۳۶

ترجمہ:

"جب کسی شخص سے کوئی درخواست کی جاتی ہے تو وہ اس وقت تک آزاد رہتا ہے جب تک کہ وہ اس درخواست کو پورا کرنے کا وعدہ نہ کرلے۔"

شرح:

اسلام نے عہد کو پورا کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے اس حد تک کہ مسلمان اور دوسرے لوگوں میں اسے ایک بڑا امتیاز قرار دیا گیا ہے۔

مسلمان جب کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرلے تو پھر کسی قیمت پر اسے اپنے وعدہ سے نہیں پھرنا چاہئیے۔

اس لیے مسلمان کو اپنے قول و قرار کا بڑی شدت سے خیال رکھنا چاہئیے

اور ایفائے عہد کے اسلامی اصول سے بے توجہی نہیں برتنی چاہیئے۔

اگر کوئی شخص آپ سے کسی کام کی درخواست کرے تو بغیر سوچے سمجھے اسے انجام دینے کا وعدہ نہ کرلیں ——— بلکہ اچھی طرح غور کریں کہ آپ اس کام کے انجام دینے کی قدرت و صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں ؟

اگر آپ نے کسی سے کوئی کام انجام دینے کا وعدہ کر لیا ——— ——— اور بعد میں اس کام کو انجام نہ سکے ——— تو سوچیں اس شخص کا کیا حال ہوگا ———

جو آپ کی مدد کا منتظر ہے ———

اور اپنی مشکل آسان کرنے کے لیے وہ کسی دوسرے اقدام کی جانب توجہ نہیں کر رہا ہے۔

اب اگر آپ نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو ممکن ہے اسے یا اس کے خاندان کو کسی ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑ جائے جبکہ ایک مسلمان مومن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنے دینی بھائی یا بہن کو بدعہدی کر کے نقصان پہنچائے۔

امام علیہ السلام نے ایفائے عہد کی اہمیت و منزلت اور وعدہ خلافی کی برائی کو اجاگر کرنے کے لیے اپنے قول میں اس موضوع کو ایک نئی شکل میں پیش کیا ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں :

جب آپ سے کسی کام کو کرنے کے لیے پوچھا جاتا ہے تو آپ اس وقت اس کام کو کرنے یا نہ کرنے میں آزاد ہیں جب تک اس کو کرنے کے لیے اقرار نہیں کر لیتے لیکن جیسے

ہی آپ نے کام کرنے کا وعدہ کر لیا ویسے ہی
آپ کی آزادی ختم ہو جائے گی بلکہ آپ نے
خود کو دوسرے کا بندہ بنا لیا کہ لازمی طور
پر اس کا کام سرانجام دیں گے۔"

یعنی انسان اپنے وعدے کے سامنے اس قدر ذمہ دار اور جواب دہ بن جاتا ہے گویا اپنے وعدے کا غلام بن گیا ہے اور سوائے ایفائے عہد کے کوئی دوسرا چارہ نہیں رہ جاتا۔

۵۱

ناتوانوں میں سب سے زیادہ ناتوان

"اَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ عَنِ اكْتِسَابِ الْاِخْوَانِ، وَاَعْجَزُ مِنْهُ مَنْ ضَيَّعَ مَنْ ظَفِرَ بِهِ مِنْهُمْ"

ح/۱۲

ترجمہ:

"سب سے زیادہ ناتوان آدمی وہ شخص ہے
جو دوست کے حاصل کرنے میں ناکام ہو
اور اس سے بھی زیادہ ناتوان وہ آدمی ہے
جو ہاتھ آئے ہوئے دوست کو گنوا دے۔"

شرح:

انسان کی توانائی صرف جسم کی طاقت اور زورِ بازو کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ روحانی اور اخلاقی طاقت جسم کی طاقت سے زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہے۔ جسم کی طاقت

وقت کے گزرنے کے ساتھ اور عمر کی زیادتی کے ساتھ کم ہوتی چلی جاتی ہے لیکن روحانی اور اخلاقی طاقت، وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہے اور انسان کو زیادہ طاقت ور اور لوگوں کے درمیان اسے ممتاز بنا دیتی ہے۔

ہمیں جہاں بدن کی صحت و سلامتی اور جسمانی طاقت کی قدر و قیمت اور اہمیت کا قائل ہونا چاہیئے اور اس کی حفاظت کرنی چاہیئے ——

وہیں ہمیں روحانی اور اخلاقی طاقت حاصل کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے اور ہر روز اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے رہنا چاہیئے۔

حضرت علی مرتضیٰؑ کا ارشاد ہے کہ روحانی طاقت اور اخلاقی توانائی کی ایک علامت یہ ہے کہ انسان اپنے اچھے اخلاق اور انسانی رویے کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا دوست بنائے۔

اب اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مخلص دوست نہیں بنا سکتا تو ظاہر ہے وہ روحانی اور اخلاقی طور پر ایک کمزور و ناتوان انسان ہے۔

لیکن اس سے زیادہ ناتوان شخص وہ ہے جو کسی کو اپنا دوست تو بنا لیتا ہے لیکن اس کی دوستی کو مضبوط اور پائیدار بنانے سے قاصر رہتا ہے ——

یعنی اپنے بُرے رویے اور نامناسب اخلاق کی وجہ سے ہاتھ آئے ہوئے دوستوں کو گنوا دیتا ہے اور اجتماعی زندگی میں تنہا رہ جاتا ہے۔

اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ ——

دوستی کی حفاظت دوست بنانے سے زیادہ دشوار ہوتی ہے یعنی پرانے دوستوں کے ساتھ اپنی دوستی قائم رکھنے کے لیے نئے دوست بنانے سے زیادہ روحانی اور اخلاقی طاقت درکار ہوتی ہے۔

۵۲

ہمارا کردار اور دوسروں کی گفتار

"مَنْ اَسْرَعَ اِلَی النَّاسِ بِمَا یَکْرَھُوْنَ قَالُوْا فِیْہِ بِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ"

ح/۳۵

ترجمہ:

"جب کوئی شخص ایسی چیز کی طرف لپکتا ہے جسے لوگ ناپسند کرتے ہوں تو پھر لوگ اس کے بارے میں بغیر تحقیق کیے جو زبان پر آئے کہتے پھرتے ہیں۔"

شرح:

جب کوئی شخص اپنے کردار اور گفتار سے لوگوں کو رنج پہنچاتا ہے تو وہ اُس آدمی کی طرح ہوتا ہے جو ایسی چیز کی جانب لپکتا ہے جسے لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ یعنی وہ ایسے کام انجام دینے میں تیزی دکھاتا ہے جو لوگوں کے لیے رنج و اذیت کا باعث بنتے ہیں۔

لوگوں کو رنج اور تکلیف پہنچانے والے کاموں کے انجام دینے میں سرگرمی دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم سوچے سمجھے بغیر اور اچھے اور بُرے پہلوؤں کا جائزہ لیے بغیر کوئی ایسی بات کریں یا کوئی ایسا کام انجام دے دیں جس کے سبب لوگ ہم سے نفرت کرنے لگیں اور ہم سے رنجیدہ ہوجائیں۔

جب کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے ——————

تو دوسرے بھی اس کا جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے کام کرنے کا ارادہ کرلیتے ہیں جو خود اس کی رنجیدگی کا سبب بن سکیں۔

اس صورت میں لوگوں کا طرزِ عمل بھی اس شخص کے طرزِ عمل کی طرح ہوجاتا ہے یعنی وہ بھی اس کے خلاف بغیر سوچے سمجھے بُرا بھلا کہنا شروع کردیتے ہیں اور جو کچھ اس شخص کے بارے میں سنتے ہیں خواہ وہ صحیح ہو یا غلط دوسروں سے کہنے لگتے ہیں اور ایسی باتیں کہنے سے بھی احتراز نہیں کرتے جن کے سچ اور حقیقت ہونے نہ ہونے کے بارے میں انھیں کوئی علم نہیں ہوتا۔

بلاشبہ لوگوں کا یہ طرزِ عمل بھی درست نہیں ہے —!

لیکن ان کا یہ طرزِ عمل اس شخص کے اعمال کا نتیجہ ہے جو لوگوں کو رنج پہنچاتا ہے اور ان چیزوں کی طرف لپک کر جاتا ہے جو لوگوں کو ناپسند ہوتی ہیں۔

۵۳

امیروں کی انکساری اور غریبوں کی بے نیازی

"مَا اَحْسَنَ تَوَاضُعَ الْاَغْنِيَاءِ لِلْفُقَرَاءِ طَلَبًا لِمَا عِنْدَ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ مِنْهُ تِيْهُ الْفُقَرَاءِ عَلَى الْاَغْنِيَاءِ اِتِّكَالًا عَلَى اللّٰهِ"

ح/۴۰۶

ترجمہ:

"غریبوں کے سامنے امیروں کی وہ انکساری کتنی اچھی ہے جو وہ اللہ کی رضا کی خاطر اختیار کرتے ہیں اور امیروں کے سامنے غریبوں کی وہ بے نیازی کتنی اچھی ہے جو وہ خدا پر توکل کی بنا پر اختیار کرتے ہیں۔"

شرح:

اسلام میں دولت اور فقر ان دونوں میں سے کوئی چیز اپنے اندر اہمیت

اور برتری نہیں رکھتی۔

یعنی ایک مسلمان جو اسلامی اخلاق اور سچا ایمان رکھتا ہے وہ کسی دولتمند کا احترام کرتا ہے تو اس کی دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی قابلیت و اہلیت کی بناء پر کرتا ہے ——————

اسی طرح وہ کسی فقیر کا احترام کرتا ہے تو اس کی درویشی اور فقر کی وجہ سے احترام نہیں کرتا بلکہ اس کے اخلاق اور اس کی شائستگی کی بنا پر اس کا احترام کرتا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان کی عزت اس کے تقویٰ کی وجہ سے ہے یعنی جو شخص جس قدر متقی ہوگا اسی قدر وہ محترم قرار پائے گا۔

اس کے باوجود افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ اس اسلامی اخلاق کے اعتبار سے بہت پیچھے ہیں۔ اس طرح کے لوگ جب دولت مند ہوتے ہیں تو اپنی دولت کی بنا پر گردن کو اکڑا اکر چلتے ہیں اور فقراء کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ——————

حتیٰ کہ فقیروں اور غریبوں کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہیں کرتے ——————

اگر کسی محفل میں شریک ہوتے ہیں تو غریبوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

اسی طرح اگر کسی شخص میں اسلامی اخلاق نہ ہوں اور وہ فقیر ہوگا تو اپنی عزت نفس کو گنوا دے گا اور دولت مند افراد کی تعظیم اور خوشامد میں لگ جائے گا۔

حضرت امیر المومنینؑ نے اسی بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ——————

اگر دولت مند آدمی فقیروں اور غریبوں کے سامنے اکڑنے اور بے اعتنائی برتنے کی بجائے تواضع اور انکساری کا رویہ اختیار کرے ——————

اور یہ خدا کی رضا کے لیے کرے —————— تو وہ ایک اچھا اور نیک کام کرے گا کیونکہ دولت اور حقیقی احترام ایک ایسا انعام ہے جو صرف اللہ تعالیٰ

کے قبضے میں ہے۔

لیکن اس سے زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ ایک فقیر اور غریب آدمی —
دولت مندوں کے آگے کورنش بجا نہ لائے ——————

اور ——————

ان کی خوشامد نہ کرے۔

بلکہ ان کے مقابل بے نیازی اور وقار کا رویہ اختیار کرے اور یہ ثابت کرے کہ تعظیم کے لیے جھکنا صرف خدا کے لیے مخصوص ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ رکھتا ہے ، وہ اپنی ضرورت کی تمام چیزیں اسی سے مانگتا ہے۔ ایسے شخص کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کہ دولت مندوں کی مہربانی اور نظر عنایت کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے اور اس امید میں کہ وہ اس کی ضرورت کو پورا کر دیں گے۔ ان کے آگے جھکے اور خاکساری کا اظہار کرے۔

۵۴

نماز جمعہ کی اہمیت

"وَلَا تُسَافِرْ فِی یَوْمِ جُمُعَةٍ حَتّٰی تَشْهَدَ الصَّلَاةَ اِلَّا فَاصِلًا فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ فِی اَمْرٍ تُعْذَرُ بِهِ"

خطوط/۶۹

ترجمہ:

"جمعہ کے دن جب تک تم نماز جمعہ ادا نہ کر لو سفر پر روانہ مت ہو مگر یہ کہ تمہارا سفر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ہو یا کوئی ایسا اہم کام درپیش ہو کہ جس کے لیے سفر کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔"

شرح:

ایران کے مسلم عوام، انقلابِ اسلامی کی کامیابی کے بعد نماز جمعہ کی قدر و قیمت

اور اہمیت کو خوب جان چکے ہیں اور انھیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہونے والا یہ عظیم اجتماع کیسی دینی اور سیاسی اہمیت رکھتا ہے اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے یہ کس قدر مفید اور اہم ہے۔

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس مقصد سے کہ ——————

مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وابستہ اور پیوستہ ہوں اور ان کے درمیان الفت و محبت بڑھے ——————

نصِ قرآنی کے ذریعہ نماز جمعہ کے قائم کرنے کا حکم دیا۔

نماز جمعہ میں تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں ——— وہ ایک دوسرے کے قریب اور متحد ہو جاتے ہیں ——— اپنی زندگی کی مشکلات سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے ہیں ——— اور ایک دوسرے کے مسائل کو مل کر حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور ان میں سے ایک فاضل، دانشمند اور ہمدرد شخص اٹھ کر امام جماعت کی حیثیت سے ان کی انفرادی اور اجتماعی مشکلات کے بارے میں ان کی رہنمائی کا فرض انجام دیتا ہے۔

یہ پرشکوہ اسلامی اجتماع جو ہفتہ میں ایک بار جمعہ کے دن منعقد ہوتا ہے ——————

اس قدر افادیت و اہمیت رکھتا ہے کہ ——————

اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار مسلمانوں کو اس اجتماع میں شرکت کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور ترغیب دلائی ہے ———

——— حتیٰ کہ قرآن میں سورۃ الجمعہ کے نام سے ایک سورت نازل کی گئی۔

امام علیہ السلام نے بھی نماز جمعہ کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے بہت زیادہ تاکید

فرمائی ہے، اور اس حد تک کہ اگر کوئی شخص سفر کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنے سفر میں اس قدر تاخیر کرنی چاہیئے کہ نمازِ جمعہ کا وقت آپہنچے۔

پھر وہ نماز جمعہ ادا کرے اور اس کے بعد اپنے سفر کا آغاز کرے۔

لیکن اگر جہاد اور اسلام کے دفاع کے لیے وہ سفر کر رہا ہو ——— کفار کے خلاف جنگ کے لیے جا رہا ہو یا اسے انتہائی ضروری کام درپیش ہو اور اس کے انجام نہ دینے کی صورت میں اسے ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو۔

جیسے کسی کو بیمار کی دوا لانے یا ڈاکٹر کو لینے کے لیے دوسرے شہر جانا ہو یا اس کا کسی معاملے کو طے کرنے کے لیے ایک مقررہ وقت پر دوسرے شہر میں موجود رہنا ضروری ہو، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کام کے بگڑنے کا اندیشہ ہو اور ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہو کہ جس سے اس کے خاندان کی معیشت درہم برہم ہو جائے۔ تو ایسی صورتوں میں اس کے لیے رعایت ہے۔

۵۵

نرم خوئی دوستی کی بنیاد ہے

"مَنْ لَانَ عُودُهُ كَثُفَتْ اَغْصَانُهُ"

ح/۲۱۴

ترجمہ:

"جس شخص کے وجود کا درخت نرم لکڑی کا ہوگا تو اس کی بہت زیادہ شاخیں نکلیں گی"

شرح:

امام علیہ السلام نے اپنے اس فصیح اور حکیمانہ کلام میں انسان کو درخت سے تشبیہ دی ہے اور اس کے دوستوں کو درخت کی شاخیں قرار دیا ہے۔

درختوں میں سے جس درخت کی لکڑی زیادہ نرم ہوتی ہے اس سے بہت سی شاخیں نکلتی ہیں اور جو درخت زیادہ شاخیں رکھتا ہے اس کا سایہ بھی وسیع اور گھنا ہوتا ہے اور اس کے سائے میں زیادہ لوگ آرام کر سکتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ وہ پھل بھی زیادہ دیتا ہے جس سے لوگ بہت فائدہ

اٹھاتے ہیں۔ ایسے درخت کی طرف لوگوں کی توجہ بھی زیادہ ہوتی ہے اور لوگ اس کی حفاظت کی زیادہ فکر کرتے ہیں۔

اسی طرح انسان کے وجود کا درخت بھی نرم ہو ——————

یعنی اگر وہ نرم مزاج، خوش اخلاق، مہربان اور ہنس مکھ ہو تو اس کی شاخیں بہت نکلیں گی —————— یعنی دوستوں کی بڑی تعداد اس کے اطراف جمع ہو گی اور وہ ان سے محبت و الفت کے ساتھ پیش آئے گا ——————

اور وہ خود بھی دوستوں کی زیادہ سے زیادہ توجہ اور محبت کا مرکز بنے گا ——————!

"ادارہ در راہِ حق" قم کی مجلسِ مصنّفین کی گران بہا تالیف

۲۰ جواب

جس میں

کیا خُدا کا بھی کوئی خالق ہے؟ — عدلِ الٰہی

معجزہ — شقّ القمر — عصمت کا مفہوم

رُوحوں کے ساتھ رابطہ کی حقیقت — تصوّف

تحریمِ موسیقی — متعہ اور تعدّدِ ازدواج

جیسے سوالات کے

آیاتِ قرآن و روایاتِ معصومینؑ اور مسلّمہ عقلی اصولوں کی روشنی میں مُدلّل جواب دیے گئے ہیں

پاکیزہ کتابت | اعلیٰ طباعت | ۳۰۴ صفحات | قیمت روپے

یکے از مطبوعات

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

غیبتِ امامِ زمانہؑ میں

اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد ولایتِ فقیہ پر

آیۃ اللہ حسن طاہری خرم آبادی کی گرانمایہ تصنیف

عوامی حکومت

— یا —

ولایتِ فقیہ

کتابِ ہٰذا میں

مسئلہ ولایتِ فقیہ پر آیات و روایات اور عقلِ سلیم

کی روشنی میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے

نیز اس اہم اعتراض کہ "فقیہ کی حکومت جمہوریت سے متصادم ہے"

کا بھی تسلی بخش جواب دیا گیا ہے

بہترین کتابت	عمدہ کاغذ	دیدہ زیب سرورق	۱۶۰ صفحات	قیمت روپے

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲ - بی - ۵/۲ — ناظم آباد — نمبر ۲ — کراچی

ہماری مطبوعات

درسِ قرآن
مکتبِ تشیع اور قرآن
اسرارِ نہج البلاغہ
نہج البلاغہ سے چند منتخب نصیحتیں
مذہبِ اہلِ بیتؑ
شیعیت کا آغاز کب اور کیسے.
فلسفۂ امامت
اہلِ بیتؑ آیتِ تطہیر کی روشنی میں ،
ائمہ سیریز (مکمل سیٹ)
سوانح حیات حضرت فاطمۃ الزہراؑ
اہلِ بیتؑ کی زندگی، مقاصد کی ہم آہنگی، زمانہ کی نیرنگی
مثالی عزاداری کیسے منائیں؟
آمریت کے خلاف ائمہ طاہرینؑ کی جدوجہد
صدائے حضرتِ سجادؑ
سوانح حیات حضرت امام حسینؑ
تفسیرِ سیاسی قیامِ امام حسینؑ
ائمہ معصومینؑ کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ
فلسفۂ عزاداری و قیامِ امام حسینؑ
اثباتِ وجودِ خدا
۲۰ جواب
آسان عقائد (دو جلدیں)
تعلیمِ دین سادہ زبان میں (دو جلدیں))
حسینؑ شناسی
انقلابِ حسینؑ پر محققانہ نظر
فکرِ حسینؑ کی الف، ب

تفسیرِ عاشورا
عزاداری کیوں؟
عاشورا اور خواتین
پیامِ شہیداں
ہمارا پیام
آزمائش
درسِ انقلاب
اسلامی تحریک قرآن و سنت کی روشنی میں
شناختِ استکبار
عوامی حکومت یا ولایتِ فقیہ
کتاب المومن
خاندان کا اخلاق
ازدواج در اسلام
اسلام میں خواتین کے حقوق
آسان مسائل
عورت پردے کی آغوش میں
اسلامی اتحاد، مسلکِ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں
مادیت و کمیونزم
خاک پر سجدہ، مقصد، اہمیت، حقیقت
عظیم لوگوں کی کامیابی کے راز
انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار
دعائے افتتاح - دعائے ندبہ
زیارتِ جامعہ
نظامِ مرجعیت شہیدین کی نظر میں
فاطمہ زہراؑ اسلام کی مثالی خاتون

آئمہ معصومینؑ کی سیاسی زندگی کا

تحقیقی جائزہ

آئمہ معصومین کے دور میں اسلام و مسلمین مختلف قسم کے نشیب و فراز سے دوچار رہے۔ کبھی انتہائی تلخ و ناگوار حالات، کبھی حاکموں کا ظلم و استبداد، کبھی رعایا کا مجرمانہ سکوت و بے حسی اور کبھی ضمیر فروش انسانوں کی تحریف و تخریف۔

بدقسمتی سے لوگوں میں یہ تاثر عام ہے کہ آئمہ طاہرین، اسلام و مسلمین پر ڈھائے جانے والے تمام مظالم کو خاموشی سے دیکھتے رہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ ان حالات میں آئمہؑ نے جو اجتماعی اور سیاسی کردار ادا کیا ہے، اس پر نہایت بصیرت افروز انداز میں تجزیہ و تحلیل کرنے کے بعد شہید رابع آیت اللہ باقر الصدرؒ نے اپنے افکار و نظریات کا اظہار فرمایا ہے۔

استاد عادل ادیب نے بڑی کاوشوں کے بعد شہید کے ان افکار و نظریات سے ماخوذ ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جسے حجۃ الاسلام والمسلمین جناب توحیدی صاحب نے اردو میں ترجمہ کر کے ایک گرانقدر خدمت انجام دی ہے۔ خدا عزوجل کی ذات بابرکات سے امید ہے کہ یہ کتاب ہمارے تاریک معاشرہ کے افق پر ایک درخشندہ ستارے کی مانند چمکے گی وہ افراد جو اپنی زندگی کو سیرت آئمہؑ کے مطابق استوار کرنے کے خواہش مند ہیں انکے لئے